رجسٹرڈ ایل نمبر ۹۰۸

ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینہون عن المنکر واولئک ہم المفلحون

رسالہ

اشاعت اسلام

اردو ترجمہ
اسلامک ریویو اینڈ مسلم انڈیا

زیر ادارت
خواجہ کمال الدین (بی اے ایل ایل بی) و مولوی صدر الدین (بی اے بی ٹی)

جلد (۲) | بابت ماہ جولائی سنہ ۱۹۱۶ء | نمبر (۷)

فہرست مضامین
ماخوذ از اسلامک ریویو و مسلم انڈیا ماہ جون سنہ ۱۹۱۶ء

(۱) شذرات .... (۲۸۹) ✣ (۲) مسئلہ زندگانی ... (۲۹۲)
(۳) افریقہ میں اسلام (۳۰۱) ✣ (۴) مختلف تمدنی اور مذہبی قوانین کے ماتحت عورت کی حالت .... (۳۰۶)
(۵) پادریوں کی غلط بیانیاں .... (۳۱۳)
(۶) تیرالاندرواجی (۳۱۷) ✣ (۷) اسلامی نماز کا فلسفہ (۳۲۲)
(۸) پیغمبر صلعم اور عیسائی .... (۳۲۷)
(۹) صفات باری .... (۳۳۲)
(۱۰) خطبات عربیہ (۳۳۶)

[illegible] ماہ جولائی سنہ ۱۹۱۶ء کو مرزا یعقوب بیگ صاحب [illegible]

قیمت سالانہ تین روپے

نوٹ - ناظرین کرام صفحہ ۳۳۶ - اور سرورق کے صفحے ۳ و ۴ ضرور ملاحظہ فرمائیں -

ضروری اطلاع

بغرض توسیع اشاعت رسالہ اسلامک ریویو (انگریزی) ماہواری و رسالہ اشاعت اسلام ماہواری و دیگر اغراض مسلم ووکنگ مشن. جناب حکیم اللہ یار خان صاحب متخلّص بہ جوگی (واصل) و خلیفہ عبدالمجید صاحب کلرک دفتر رسالہ اشاعت اسلام لاہور ہماری طرف سے ایجنٹ مقرر کیے گئے ہیں وہ ہندوستان کے مختلف شہروں میں دورہ کریں گے۔ اُن کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ ہر دو رسالہ جات کے خریدار پیدا کریں اور خریداروں سے قیمت وصول کریں۔ یا دیگر اغراض ووکنگ مشن کے لیئے ہر قسم کی امداد حاصل کریں۔ جو صاحب انھیں کسی قسم کا روپیہ دیں اُن سے رسید لیں۔ رسید بک بصورت مثنیٰ اُن کے پاس ہے۔ اور اُس پر میرے دستخط انگریزی میں ثبت ہیں +

خواجہ کمال الدّین

ایڈیٹر اسلامک ریویو و اشاعت اسلام

قابل توجّہ ناظرین کرام

ہم ناظرین کرام میں سے ہر ایک کی خدمت میں فرداً فرداً مؤدبانہ عرض کرتے ہیں کہ رسالہ اشاعت اسلام کی توسیع اشاعت کی طرف خاص توجہ مبذول فرمائیں۔ اس کی اشاعت کی وسعت سے جو حسن نتائج مرتب ہونگے۔ وہ احباب پر عیاں ہیں۔ اگر رسالہ کی اشاعت آج دس ہزار ہو جائے تو رسالہ مذکور اپنے پاؤں پر کھڑا ہو کر بہت حد تک ووکنگ مسلم مشن کے اخراجاتِ اعظم کا جو روز افزوں ترقی پر ہیں کفیل ہو سکتا ہے۔

ہم ان مربیان رسالہ کے مرہون احسان ہیں جو ہمہ تن ہر وقت رسالہ کی توسیع اشاعت کو ملحوظ نظر رکھتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ اُن کو اِس اسلامی خدمت کا احسن جزا عطا فرمائے۔ ہمیں امید واثق ہے۔ کہ ہمارے رسالہ کے ناظرین کرام ہمارے ایجنٹوں کو توسیع اشاعت کے کام میں ہر قسم کی سہولت دیں گے + مینجر رسالہ

تصاویر نومسلمانان لندن۔ فی درجن ۱۰ ار + فی تصویر ۱ ار +

خواجہ عبدالغنی منیجر رسالہ اشاعت اسلام نے عزیز منزل۔ احمدیہ بلڈنگز۔ نولکھا۔ لاہور

Your Sincere Brother in Islam

Habeeb-Allah

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

اشاعت اسلام

ترجمہ اردو اسلامک ریویو و مسلم انڈیا مجریہ لنڈن

جلد (۲) بابت ماہ جولائی سنہ ۱۹۱۶ء نمبر (۷)

شذرات

اس ماہ کے رسالہ کے ساتھ جو تصویر شائع ہوتی ہے وہ ایک نئے مسلمان مسٹر لوگرو کی ہے۔ جن کا اسلامی نام حبیب اللہ رکھا گیا ہے۔ کیا عجب ہے کہ اللہ تعالےٰ اُن کو اسم بامسمےٰ کرے اور اللہ تعالےٰ کی محبت میں وہ اس قدر ترقی کریں کہ حبیب اللہ بن جائیں۔ اُن میں سعادت اور نیکی کے آثار پائے جاتے ہیں۔ جیسا کہ اُن کے چہرہ سے بھی عیان ہوتا ہے۔ اللہ تعالےٰ رب العالمین ہے اور اس کی محبت اور رحمت کسی خاص قوم سے وابستہ نہیں بلکہ جو شخص بھی اس کی راہ میں قدم اُٹھاتا ہے اور اس کی رضا کی راہوں پر چلتا ہے۔ وہ اس کی محبت اور رحمت سے حصہ پالیتا ہے۔ اور اولیاء اللہ میں داخل ہو جاتا ہے +

ایسی قوم میں لارڈ ٹینٹلے مرحوم جیسا انسان پیدا ہوا۔ جس کے متعلق ایک مسلمان سیاح نے لکھا ہے کہ وہ اتفاق سے انگلستان میں لارڈ ٹینٹلے کا مہمان ہوا۔ پچھلی رات کو جو اُسے جاگ آئی تو اس مکان میں کسی کے قرآن کریم کے بڑے درد کے ساتھ پڑھنے کی آواز آئی اور اُس کو حیرت ہوئی۔ کہ اس تثلیث کی سرزمین میں کہاں سے یہ آواز آرہی ہے۔ یا آیا یہ کوئی خواب ہے۔ آخر اس سے نہ رہا

گیا اور اُٹھ کر مکان کے ارد گرد اور اندر پھر کر آواز کا سراغ لگایا تو دیکھا کہ خود لارڈ سٹینلے نماز تہجد میں مصروف قرآن کریم کی تلاوت کر رہے ہیں۔ معلوم ہوا کہ شرقی ممالک میں رہنے اور تعلقات کی وجہ سے اسلام کی صداقت اُن کے دِل میں ایسا گہرا اثر کر چکی تھی کہ وہ دل سے مُسلمان ہو چکے تھے اور مُسلمان بھی ایسے پختہ کہ تہجّد تک کی نماز ادا کرتے تھے ؛

درحقیقت اسلامی نماز کی سادگی اپنے اندر وہ دلکشی کا سامان رکھتی ہے کہ بڑے بڑے بھڑکدار لباسوں اور خوبصُورت چہروں اور خوش آواز باجوں کے اندر بھی وہ دِلکشی نہیں۔ وہ طبائع جو تصنع اور بناوٹ سے پاک ہیں۔ وہ اسلامی نماز کے سادہ منظر کو دیکھ کر ہی اسلام پر شیدا ہو جاتی ہیں۔ تعلیمیافتہ مسلمان تو نمازوں کو ترک کر رہے ہیں۔ مگر خدا نے ان لوگوں کے دلوں میں اسلامی نماز کی محبت اور عظمت پیدا کر دی ہے۔ جن کے نقش قدم پر چلکر ان مسلمانوں نے نماز کو چھوڑا ہے۔ ووکنگ کی مسجد میں اُن انگریز مردوں اور خواتین کا آ کر نماز میں شمولیت اختیار کرنا جنہوں نے ابھی تک اسلام کا اعلان نہیں کیا بتا رہا ہے کہ اسلامی نماز ہی آخران کو مسلمان کرنے کا ذریعہ ہو گی۔ اِنسانی فطرت میں اپنے مالک سے تعلق پیدا کرنے کی تڑپ ہے اور اسلامی نماز درحقیقت یہی حقیقی تعلق انسان کا اللہ تعالیٰ سے پیدا کرتی ہے۔ مگر جن لوگوں نے ترک صلوٰۃ کو اپنا فیشن قرار دے لیا ہے۔ اور نماز کے پاس پھٹکنا بھی پسند نہیں کرتے۔ وہ اس حقیقت سے کیونکر آگاہ ہوں ؛

اس ماہ میں یعنی ماہ مئی سنہ ۱۹۱۶ء میں پانچ اور نو مسلمین کا اضافہ انگلستان کی نو مسلم جماعت میں خدا کے فضل سے ہوُا۔ یعنی مس روزکوپر جن کا اسلامی نام فرحت رکھا گیا اور ٹامس جارج بیلرڈ جنکا اسلامی نام مبارک رکھا گیا۔ ایک شخص نے عربی افریقہ سے اعلان اسلام کی فارم پُر کر کے بھیجی۔ ایک صاحب ثروت خاتون مس فلپ صاحبہ نے نماز جمعہ میں جماعت کے سامنے اعلان اسلام کیا اور ایک انگریز فرنیک وسرڈ نام سے خط و کتابت ہو کر معلوم ہوُا کہ وہ پہلے سے مسلمان ہو چکے ہیں اور اب ووکنگ کے سلسلۂ اخوت اسلامی کو معلُوم کر کے اُنھیں بہت خوشی ہوئی ؛

خاتون مس فلپ صاحبہ کے اسلام کے متعلق ووکنگ کی رپورٹ حسب ذیل مظہر ہے :۔

"اس جمعہ شریف جو ناظرین جانتے ہیں کہ لندن میں ادا ہوا ہے بہت بڑی رونق تھی۔ مصری ہندی اور انگریزی نژاد مسلمان رونق افروز تھے اور اس اخوت اسلامیہ کے ممبروں کی مسرت قلبی اور

ازدیاد ایمان کے لئے اللہ تعالےٰ نے ایسا سامان کیا کہ ایک ذی وجاہت نوجوان خاتون مس فلپ صاحبہ نے خطبۂ جمعہ میں کلمۂ توحید پڑھا۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار کیا اور پاک اسلامی زندگی بسر کرنے کا عہد کیا۔ ان کی امارت ان کی فطری نزاکت سے تو یہ خیال ہوتا تھا کہ مجمع کے سامنے بمشکل کھڑی ہو سکیں گی۔ اور شاید دبے الفاظ مُونھ ہی مُونھ میں امام کے کہنے پہ دوہرائیں گی۔ لیکن ایمان عجب شوکت پیدا کرتا ہے۔ اُنھوں نے بڑے زور کے ساتھ اخلاص بھرے الفاظ میں خوبی کے ساتھ ان کلمات کو دوہرایا جن کے اقرار کے لئے راقم الحروف نے ان سے التماس کی۔

جون کے انگریزی پرچے میں یہ خوشخبری دی گئی ہے کہ انگریزی ترجمۃ القرآن کا انگریزی کا حصّہ قریباً پورا ہو چکا یعنی اس کے پروف وغیرہ نکل چکے ہیں۔ اب جس قدر التوا ہے وہ عربی حصّہ یعنی خود قرآن کریم کے لئے ہے جو ہندوستان میں خوشنویسوں سے لکھوایا جا رہا ہے۔ اور اس سے بلاک تیار ہو کر ولایت میں چھپے گا۔ ترجمہ کے جلدی نہ نکل سکنے میں بڑی رُکاوٹ عالمگیر جنگ کی وجہ سے رہی ہے۔ بلکہ اخراجات اس قدر بڑھ گئے ہیں کہ اگر پبلک کے شوق انتظار کا خیال نہ ہوتا تو اختتام جنگ تک اسے ملتوی کر دیا جاتا۔ ہر قسم کے سامان اور خود مزدوری کی اجرت بہت بڑھ گئی ہے۔ بلکہ بعض حالات میں دو چند سے بھی زیادہ ہو گئی ہے۔ علاوہ ازیں کتاب کا حجم بھی جس قدر پہلے خیال کیا گیا تھا اس سے زیادہ نکلا اور باوجود سائز کو کسی قدر بڑھا دینے کے تیرہ سو سے اُوپر صفحات کتاب کے ہو جائیں گے۔ اس صورت میں مناسب یہ سمجھا گیا کہ انڈیا پیپر ہی استعمال کیا جائے تاکہ کتاب آسانی سے ہاتھ میں آنیوالی ہو اور اس کا بڑا حجم اس کے مطالعہ میں مانع نہ ہو۔ اگر جنگ نہ ہوتی تو عمدہ عربی ٹائپ قرآن کریم کے لئے میسّر آجاتا۔ مگر چونکہ حالات موجودہ میں عربی ٹائپ نہ مل سکا اس لیئے ماہران فن خوشنویسی کے ذریعہ سے یہ کام کرانا پڑا اور ان تحریروں کے فوٹو لیکر ان کے بلاک تیار کر لئے جائیں گے۔ اس تمام وجوہات سے اخراجات اس قدر بڑھ گئے ہیں کہ اب پندرہ روپے سے کم قیمت پر کتاب فروخت نہ ہو سکے گی۔ اگر ممکن ہُوا تو ہندوستان کے لیئے ایک الگ ایڈیشن نکالنے کی کوشش کی جائے گی جو کسی قدر کم قیمت پر فروخت ہو سکے ۔

مسئلۂ زندگانی ۳

لنگر کی حرکت اور قانون۔ گردش زمانہ پر چند الفاظ

گردش دہر نہیں گردش پرکار سے کم + ختم ہوتا ہی نہیں دیکھا کبھی اس کا محیط

نیچر کے عمل میں چند واقعات ایسے بھی ہیں جو مستقل طور سے وقوع پذیر ہوتے ہیں جن کے نتائج عمومیت کا اثر رکھتے اور جو عام طور سے عاید ہوتے ہیں۔ باایں ہمہ وجوہ اگر ان کو قوانین یا مسائل نیچر کے نام سے موسوم کیا جائے تو مناسب اور درست ہوگا +

اس رسالہ میں مینے ناظرین کے سامنے دو مسائل پیش کیے تھے۔ اور اب میری خواہش ہے کہ آپ تیسرے مسئلہ پر بھی غور و خوض فرمائیں جو اپنی نوعیت کے لحاظ سے کسی طرح کم یا غیر اہم نہیں ہے۔ یہ مسئلہ کیا ہے یعنی قانون مدوجزر دورِ زمانہ جس کے متعلق مینے اپنے دوسرے مضمون میں اشارہ کیا تھا۔ یہ ان چند واقعات میں سے ایک واقعہ ہے جو خود اپنی ہی مثال کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ دورِ زمانہ میں اس کے مدوجزر کا وقوع ایک دفعہ سے زیادہ ہو چکا ہے +

تمدن اور علم کی ترقی اور زوال کے ساتھ ساتھ لوگوں کے تغیر و تبدل اور مذاق کے اختلاف اور زمانہ کے گذرنے کے باعث کبھی تو یہ علم حاصل ہوا۔ کبھی بھلا دیا گیا اور اب پھر تازہ ہو گیا۔ ایک صدی سے کچھ زیادہ ہوا کہ یہ علم مفقود ہو گیا یا بالکل بھلا دیا گیا تھا یا زیادہ سے زیادہ یہ ہوا کہ بعض کے سامنے اس کے چہرے کا نقش و نگار کچھ تاریک سا نظر آیا اور انھوں نے یہ خیال کیا کہ یہ بہت تھوڑے واقعات پر حاوی ہے۔ لیکن موجودہ سائنس کے تجربات سے ثابت ہو گیا۔ کہ قانون دورِ زمانہ اپنے اندر عمومیت رکھتا ہے۔ اگرچہ اس کی گردش یکساں نہیں ہوتی اور واقعات بھی بہت کم ایک طرح کے ہوتے ہیں۔ مثلاً سمندر میں مدوجزر گھنٹوں میں آتے ہیں اور بعض حالات میں سالوں کا دورہ ہوتا ہے۔ مثلاً سیارگان اور آفتاب کا دورہ یا زلزلہ اور دیگر مظاہر قدرت کا دورہ۔ ان میں سے بہت سے ایسے ہیں جن کی اب تک تفہیم نہیں ہوئی ہے۔ گویا یہ ایک دلچسپ کتاب ہے۔ جس کے بعض حصص ابھی مطالعہ نہیں کیے گئے ہیں۔ اور جہانتک ہم نے سمجھا ہوا ہے

اُس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابھی اس قانون کے متعلق اور کامل علم حاصل کرنا ہے۔ جن سے بعض ایسی باتیں واقع ہونگی جو سرِ دست تاریکی میں ہیں +

زمانہ دراز گذرا کہ اس قانون کے وجود سے پروہتوں۔ نجومیوں اور طلبا کو واقفیت ہوئی۔ تاریخ دنیا کے ابتدائی زمانہ میں چین اور ہندوستان کے فلسفیوں اور مصر اور ایران کے مجوسیوں کو بھی اس کا علم ہو گیا لیکن بدقسمتی سے اُن کے علم کا بہت سا حصہ بیسویں صدی کے لوگوں کیلئے مفقود ہو گیا۔ میرا خیال ہے کہ بعض ایسے لوگ بھی ہیں جو اس رائے سے متفق نہیں ہونگے۔ لیکن یہ کون بتلا سکتا ہے کہ کون یا کتنا علم اُن پرانی تحریروں اور نسخوں کی بربادی سے ضائع ہو گیا۔ میں یہ بات تسلیم کرتا ہوں کہ جس قدر علم جن لوگوں کو اس وقت حاصل ہوا ہے اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ بعض علما ایسے بھی ہیں جو غلط راہ پر قدم زن ہو گئے۔ اور بجائے صحیح اور درست علم کے انھوں نے نامکمل اور غلط علم کا استعمال کرنا شروع کر دیا اور یہ محض اس لیئے تاکہ ان کی اہمیت میں اضافہ ہو جائے اور وہ انبیاء کی وضع اختیار کر لیں یا یہ ظاہر کریں کہ اُن کو دیگر انسانوں سے بالاتر طاقت عطا کی گئی ہے۔ اور کم علم والے لوگوں پر چند آئندہ کی باتیں کہہ کر اپنا رنگ جمالیں اور اُنھوں نے اس بات کا دعوےٰ کیا کہ ہم میں ایسی طاقت موجود ہے جس کی وجہ سے ہم مستقبل کا علم حاصل کر لیتے ہیں۔ حالانکہ فی الواقعہ وہ اس علم سے بالکل بے بہرہ تھے۔ اگرچہ انسان کی فطرت میں یہ بات پائی جاتی ہے کہ اُس کے دل میں یہ تمنا ہوتی ہے کہ آئندہ کے اسرار سے کچھ بھی آگاہی ہو جائے خواہ کتنی ہی خفیف کیوں نہ ہو اور وہ یہ خیال کرتا اور کہتا ہے کہ کاش مجھے معلوم ہو جاتا جس سے یہ مراد ہے کہ اُس وسیع علم سے لامحدود فوائد حاصل ہو جاتے۔ لیکن خوب یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ یہ زندگی بالکل یا سب کے لیئے ایسی شئے نہیں ہے کہ اُس کی آرزو کی جائے۔ اس میں رنج و تکلیف کا بھی زمانہ ہے۔ جسے ہم خوشی سے بھول جاتے ہیں یا کم از کم اُسے ہم گذرا ہوا دیکھ کر شکر ادا کرتے ہیں۔ گذشتہ واقعات کا تصور دلخراش ہوتا ہے۔ لیکن آئندہ کی مصائب کا انتظار نہایت جانگداز ثابت ہوگا۔ میں اس مسئلہ سے یہاں تک متاثر ہوا ہوں کہ میرا خیال ہے کہ اگر نسلِ انسانی میں ہر ایک شخص کو ابتدائے زندگی میں یہ معلوم ہو جائے کہ میری زندگی میں فلاں فلاں مصائب پیش آنے والے ہیں یا کل خلقت کو یہ علم ہو جائے کہ ہر نئی نوع پر یہ یہ باتیں گذرنے والی ہیں تو پھر

میرا گمان ہے کہ شاید اس دُنیا میں کوئی بھی خوش وخرم نظر نہ آئے گا۔ بلکہ نسل انسانی کا کل یا بیشتر حصہ سخت مصیبت اور خوف کی حالت میں زندگی گذاریگا۔ اور بقیہ حصۂ زندگی میں بذریعہ خود کشی ان تکالیف سے نجات پانے کی کوشش کرے گا۔ الغرض ارحم الراحمین خدا کی مصلحت کا یہ تقاضا تھا۔ کہ انسان کے لیئے آیندہ کی تمام باتوں کا جان لینا مناسب نہیں۔ اس لیئے اس نے اپنے فضل وکرم سے ہمارے اور مستقبل کے درمیان ایک پردہ ڈال دیا۔ اگرچہ ہمیں یہ نہیں معلوم کہ اس پردہ کے دوسری جانب کیا ہے۔ تاہم اتنا تو ضرور جانتے ہیں۔ ؎

سعیٔ کامل سے ہو گر مہتاب کی تم کو طلب — دور ہو جائیں گی اپنی مشکلاتِ راہ سب
گر نہ پہنچو گے وہاں تک پھر بھی اتنا ہے ضرور — اوڑ کے عالم سے ستاروں تک چلو گے بیقصور
گر ستاروں تک پہنچنے میں ہو ناکامی کہیں — ابر تک تمکو پہنچتے ہیں تو کوئی شک نہیں

فی الحقیقت بنی نوع کی اس کمزوری کا ایک علم تھا۔ اور اس علم یا فرضی علم کی قوت نے زمانہ سلف کے علم ہیئت دانوں کو محض نجومی بنا دیا۔ جو کہ زمانہ حال کے رمّالوں سے بڑھ کر نہیں تھے اسجگہ میں یہ بھی کہنا چاہتا ہوں کہ ایسے دعوے کی بنا اور جو کچھ حاصل ہوا تھا۔ اس کا معدوم ہو جانا اس وجہ سے واقع ہوا۔ کہ یہ علم مذہبی پیشواؤں نے اپنے ہی تک محدود کر دیا تھا اور جبتک کہ عوام اس سے بے خبر تھے۔ اُنھوں نے اس طاقت اور دانائی کو ایک نہایت اعلے پیمانہ میں ظاہر کیا۔ یہاں تک کہ خدائی درجہ کے قریب بن بیٹھے۔ لیکن جب اُنھوں نے دیکھا کہ چونکہ عام لوگ بھی اس علم کو حاصل کرنے لگے۔ اور اُن کی اپنی حیثیت میں فرق آنے لگا۔ تو پھر اُنھوں نے اس کا تدارک کیا اور یہ اعلان کیا کہ کوئی شخص سوائے اُن کی جماعت کے ممبر کے اس علم کو حاصل نہیں کر سکتا۔ علاوہ ازیں اُنھوں نے بہت سی تحریریں جو محفوظ رکھی تھیں ضائع کر دیں حالانکہ ان میں علم معلومہ کے واقعات مندرج تھے +

بہرحال ہم دیکھتے ہیں کہ لنگر اپنے انتہائی نقطۂ زوال کو پہنچ کر پھر بلندی کی طرف چڑھتا ہے۔ اور کہ علم حق کی طرح اگر بظاہر پاش پاش بھی ہو جائے تو بھی پھر ترقی کرے گا۔ اور قوانین قدرت کا مطالعہ اور اُس کا فہم جیسا فی زمانہ ہو رہا ہے ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا۔ گو بناوٹی اور جعلی چیزوں کا بھی اکثر ظہور ہو جاتا ہے۔ کیونکہ دھوکا کھانا بھی انسان کے مرغوب خاطر معلوم ہوتا ہے۔

تاہم اسرار قدرت کا ہم صحیح علم بھی حاصل کرتے ہیں اور اس میں کسی قسم کی ملونی نہیں پائی جاتی اور جو سچے طالبعلم ہیں ان کو یہ علم اپنی اصلی اور حقیقی صورت میں ملتا ہے ۔

اب میں نئی تحقیقات کے وسیع میدان کو چھوڑ کر اس قانون کی چند مشہور اور سہل الفہم مثالوں پر نظر ڈالتا ہوں جو کہ ہر شخص اور ہر طالبعلم کے مشاہدہ میں برابر آتی رہتی ہیں۔ خواہ وہ اُن پر دھیان نہ دیتا ہو اور اُن سے کبھی کوئی سبق نہ حاصل کرتا ہو۔ اسجگہ میں دن رات یا روشنی تاریکی کی مثال پیش کرتا ہوں۔ غالباً یہ سب کو معلوم ہے کہ دُنیا کے تمام حصص میں اُن کی تقسیم برابر نہیں ہے۔ بلکہ کسی کسی مقام پر گھنٹوں اور مہینوں کا بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ لیکن اون کا دور یا گردش زمانہ جو میرے مضمون کا اصلی موضوع ہے یکساں اور عام ہے۔ اور دُنیا کے زیادہ حصوں میں گھنٹوں ہی کا حساب ہوتا ہے۔ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ جہاں جہاں دن اور رات برابر ہوتے گئے ہیں وہاں کے لوگ زیادہ قوی۔ صحتور اور ترقی یافتہ پائے گئے ہیں۔ مستثنیات کا دایرہ بہت محدود ہے۔ اور اس میں لوگوں کی تعداد بھی کم ہے اور جو نتائج اس میں پائے گئے ہیں اُن سے واضح ہوتا ہے کہ جس قدر دور زمانہ میں ترتیب اور باقاعدگی زیادہ ہے۔ اور جس قدر اس دور میں شدت اور طوالت کم ہے اسی قدر ان لوگوں کی جن کا تعلق اس دور سے ہے بہتری اور بہبودی زیادہ ہوتی ہے۔ یہاں ایک اور بات ہے اور وہ یہ ہے کہ سائنس نے ہمیں ایک ایسی چیز دی ہے جس سے ہم رات کو دن بنا سکتے ہیں یعنی روشنی کے ذریعہ سے۔ لیکن اگرچہ روشنی سائنس کے برکات میں سے ایک ہے۔ لیکن یہ بھی آمیزش سے پاک نہیں ہے اور اس کی وجہ سے قانون قدرت کے ٹوٹنے کا احتمال ہوتا ہے ۔

اس کے بعد موسموں کا دور آتا ہے۔ گرمی اور سردی بالیدگی کے لیئے دن اور رات نشوونما اور آرام۔ کمال اور زوال کے لیئے ہیں۔ یہ قانون کتنا عام اور سب پر احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اب میں دوسری طرف جاتا ہوں یعنی بالیدگی اور زوال کو لیتا ہوں۔ نیچر جب ایک چیز کو کمال تک پہنچا دیتی ہے تو پھر خاموش نہیں بیٹھتی۔ جب اُس کا مطلب پورا ہوا جاتا ہے تو مخلوق کو پھر آرام اور بعد ازاں تنزل کی حالت میں پہنچا دیتی ہے۔ لیکن اس تنزل سے تباہی مراد نہیں ہے پتیوں کے گرنے۔ پھولوں کے مرجھانے۔ ستاروں کے غروب ہونے کا زمانہ آتا ہے۔ لیکن یہ

سب پھر اپنے وقت پر ظاہر ہوتے ہیں۔ جب لنگر کی حرکت دوبارہ اوپر کی طرف ترقی کرتی ہے۔ جیسا کہ بارش کے بعد دھوپ نکلتی ہے۔

اب میں الفاظ "تباہی نہیں" کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ مینے ایک مرتبہ ایک بڑے عالم فاضل اور سائینسدان کو یہ کہتے سُنا کہ "تباہی" اپنے اصلی معنوں میں غیر ممکن ہے۔ ہم کسی چیز کی شکل یا صورت کو بدل سکتے ہیں لیکن کوئی چیز بھی جو ایک مرتبہ وجود میں آگئی تباہ نہیں ہو سکتی۔ تمام چیزیں زمین سے نکلکر پھر زمین میں واپس چلی جاتی ہیں۔ اور پھر گردش کھاکر نمودار ہوتی ہیں۔ ایک باریک نکتہ ہے مگر میں اسے طول دینا نہیں چاہتا ہوں۔ اس لیئے میں اسے چھوڑکر فقرہ "بارش کے بعد دھوپ" کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ تعجب ہے کہ ہم انگریز نیچر کی اس تقسیم پر جو دھوپ اور بارش کی صورت میں ہمیں ملتی ہے۔ کتنا چین بجبیں ہوتے ہیں۔ لیکن اگر ہم ذرہ ٹھنڈے دل سے غور کریں تو ہمیں حقیقت معلوم ہو جائے گی۔ کیونکہ ہم بہت ہی تنگ اور محدود نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

میں ایک قصبہ کا رہنے والا ہوں اور آج میں نے وعدہ کیا۔ کہ فلاں شہر میں جاؤں گا۔ اور اتفاق سے بارش ہونے لگی۔ اس وقت میں سخت مایوس ہوکر کہتا ہوں کہ یہ کیا واہیات ہے۔ ہمیشہ بارش ہی ہوتی ہے۔" لیکن اُسی وقت اور اسی کھیت میں جہاں میں جانے والا ہوں بارش کی سخت ضرورت ہے۔ اور کاشتکار اس بارش کے لیئے خدا کا شکریہ ادا کر رہا ہے۔ الغرض ہماری خواہشات انصاف کو بدل دیتی ہیں اور کسی شئے کا موازنہ ہمارے نقطۂ خیال سے تبدیل ہو جاتا ہے۔

نظم

ہے حدِ نگاہ جس کی محدود	ہیں خوبی و عیب اُسکے معدود
قدرت کی نگاہ لطف ہے عام	ہو چین کہ ہند یا کہ ہو شام
ہے مدِ نظر ہر اِک کی بہبود	راہ اُس کی نہیں کسی پہ مسدود
اُس ذات پر نکتہ چینی ہیہات	ہے چھوٹی زبان اور بڑی بات

ناظرین کیا آپ کو کبھی اس بات کے سوچنے کا موقعہ ملا ہے کہ اگر ہماری خواہشات جو بلا سوچے سمجھے یا جہالت سے پیدا ہوئی ہیں پوری ہو جائیں تو پھر کیا ہو مثلاً ہم اکثر سنتے ہیں۔

وہ سرزمین جہاں پر خزاں کا نام نہیں	بجز بہار جہاں اور کسی کا کام نہیں
نہ سردی اور نہ بارش نہ ابر و باد وہاں	فقط چمکتا ہے مدت سے آفتاب جہاں

ذیل میں ایک ایسی سرزمین کا بیان ہے جو ایک امریکن مصنف کی کتاب سے اخذ کیا گیا ہے۔ اس کتاب کی تحریر کے وقت وہ اسی سرزمین میں موجود تھا۔ چنانچہ وہ تحریر کرتا ہے۔ یہاں نو ماہ تک موسم گرما رہتا ہے کیونکہ متواتر ہر روز دھوپ نکلتی ہے۔ ایک مہینے تک ہمنے خیال کیا کہ یہ تو دنیا میں ایک بہشت ہے لیکن تین ہی مہینے میں ہم سخت بیزار ہو گئے اور روز روز کی چمک سے اکتا گئے۔ اور پھر دل میں یہ تمنا ہوئی کہ ذرہ سی بارش ہو جائے تاکہ اس پیاس اور مردہ دل زمین میں تروتازگی پیدا ہو جائے اور یہانتک حالت ہوئی۔ کہ ہمنے کہا کہ ہمارے پاس جو کچھ موجود ہے ہم دینے کے لیے تیار ہیں۔ اگر ایکدن بارش ہو جائے یہی حالت تمام بنی نوع کی ہے۔ جو چیز ہمارے پاس نہیں ہے اُس کی آرزو اور تمنا کرتے ہیں لیکن جو چیز موجود ہے اُس کی قدر نہیں کرتے۔ لیکن خدائے علیم و قدیر تمام امور سے آگاہ ہے چنانچہ اُسنے اس قانونِ گردش کو قایم کر دیا تاکہ تبدیلیاں اور تغیرات ہوتے رہیں۔ جو ہماری صحت جسمانی اور دماغی زندگی کے واسطے ضروری ہیں۔ ایک مشرقی ضرب المثل ہے کہ جس نے کبھی کڑوا پھل نہیں چکھا وہ شہد کے ذایقہ سے نفرت کرے گا۔ جس شخص نے یہ لکھا ہے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے بنظر تعمق غور کیا ہے ؎

خوانِ عالم پہ ہیں رنج و خوشی ہیں مزہ دیتے ہم مِل کر سبھی۔
ہے چپنی تلخی کہیں ترشی کہیں تھوڑی شیرینی کہیں رکھی ہوئی

مجھے امید ہے کہ ناظرین مجھے تھوڑا وقت اور دیں گے۔ اگرچہ میں نے نیچر کے مد و جزر کے وجود اور حکمت کو ثابت کرنے کے لیے بہت کافی لکھدیا ہے۔ شاید سب سے زیادہ عجیب لیکن کم غور کن مثالوں میں اب گردش بیماری کا مسئلہ ہے۔ یہ دور بیماری پہلے چند ایک مرضوں میں پایا جاتا تھا۔ لیکن اب تو تمام مرضوں میں اُس کا وجود ثابت ہوتا ہے۔ ڈاکٹر رسل نے تحریر کیا ہے۔ کل بیماریوں کے تین درجے ہیں۔ (۱) پوشیدگی۔ (۲) ابھار کا درجہ (بخار)۔ (۳) زوال یا کمی کا درجہ۔ یہ مرض کو ختم کر دیتے ہیں۔ بعض حالات میں کچھ عرصہ تک آخری دو درجے بدلا کرتے ہیں*

یہ حالت دوری بیماریوں میں پائی جاتی ہے۔ مثلاً تپ محرقہ۔ گرمی اور دق کے بخار میں۔ زیادہ نمایاں طور پر انسان بیماریوں میں جو نوبتی ہیں۔ جیسے وہ بخار جن میں کچھ عرصہ کے لیے وقفہ ہو جاتا ہے اور ان کا نام بھی وقت کی میعاد کی رُو سے رکھا گیا ہے۔ چنانچہ روزانہ بخار۔ تیسرے دن اور چوتھے دن کا

بخار۔ ایک عقلمند انسان جوان کی علامتوں سے واقف ہے۔ وقفہ کے درمیان حملہ شدہ حصّوں کی مضبوط کرنے کی کوشش کرتا ہے یا ایسی دوائیں دیتا ہے جس سے جسم میں طاقت پیدا ہو کر دوسرے حملہ کو اچھی طرح برداشت کر سکے۔ پھر اسی قسم کی مثال ہمیں کام اور آرام کے وقت ملتی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے۔ ہاں ایک جھلک سی نظر آتی ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نیچر بھی اسی قانون کے ماتحت ہے۔ ینگ صاحب کا خیال کہ نیچر بھی کبھی تھک جاتی ہے۔ اپنے اندر ایک حقیقت رکھتا ہے۔ گو وہ اوپر صاف عیاں نہ ہوئی ہو۔ یہ ایک ایسا خیال ہے جس سے بڑے بڑے نتائج نکل سکتے ہیں۔ مگر سردست انہیں زیر بحث نہیں لایا جاتا۔ یہ ضروری اور لابدی ہے کہ انسان کو کام کے بعد آرام کا وقت ملنا چاہیئے۔ ورنہ اس کا نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ جسمانی یا روحانی یا دونوں صحت کا ستیاناس ہو جائیگا۔ مجھے یہ بھی بتلایا جاتا ہے کہ بعض ایسے بھی لوگ ہیں جو کبھی کام نہیں کرتے۔ بلکہ اُن کی زندگی میں آرام ہی آرام ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات صحیح نہیں ہے۔ یہ ایک غلط فہمی ہے۔ جو الفاظ کام اور آرام کے غلط مفہوم سے پیدا ہوتی ہے۔ اس قانون کا لب لباب باری باری یا تبادلہ ہے۔ اور وہی بات جو ایک حالت میں کام ہے دوسری حالت میں آرام کے نام سے موسوم ہوتی ہے۔ نیند میں سب سے زیادہ آرام کا وقت ہوتا ہے۔ تاہم ایک شخص بہت زیادہ سو کر نیند سے تھک سکتا ہے۔ بہت سے لوگ بھی ہیں جنکی زندگی کی علت غائی صرف راحت و آرام ہے۔ اکثر اپنی راحت و خوشی کو نہایت محنت اور مشقت سے تلاش کرتے ہیں اور اس میں اس قدر خستہ ہو جاتے ہیں کہ کسی دستکار کو بھی اس قدر تکان نہیں ہوتا لیکن آخر میں وہ خسارہ اور نقصان اُٹھاتے ہیں۔ ؎

ہر شبِ تار و روزِ روشن باد — ہمکو دیتی ہے ایک پندِ سعد
ہر خوشی رنج سے بدلتی ہے — ابر رحمت کے ساتھ ہے رعد

تمام مثالوں میں مینے محنت اور آرام کی مثال ایسی دی ہے جو نیچر اپنے نہایت سادہ الفاظ میں ہمیں سکھلاتی ہے۔ دن اور روشنی کام اور محنت کے لیئے۔ رات اور تاریکی سونے اور آرام کرنے کے لیئے ہے۔ ڈان کیوزو میں نیند کے متعلق اس طرح لکھا ہے۔ بیحد برکات اس پر نازل ہوں جس نے پہلے نیند کی ایجاد کی نیند مثل لبادہ کے انسان کو تمام طرف سے ڈھانک لیتی ہے بھوک کے لیئے گوشت پیاس کے واسطے پانی۔ سردی میں اکڑے ہوئے کے لیئے گرمی اور

گرمی میں جھلسے ہوئے کے لیئے ٹھنڈک ہے۔ کوئی شخص عرصہ تک اچھی طرح کام نہیں کرسکتا۔ تا وقتیکہ اچھی طرح آرام نہ کرلے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر ایک کے لیئے ایک ہی مقدار چاہیئے بعض ایسے ہیں کہ جنھیں ۲۴ گھنٹے میں صرف ۵ گھنٹہ کافی ہے۔ لیکن بعض ایسے ہیں جن کو ۹ گھنٹے سونے کی ضرورت ہے۔ لیکن ۷ گھنٹے اوسط ہے۔ اور عام طور سے لوگ اسی پر کاربند ہیں۔ آوڈنے بھی اپنی کتاب میں نیند کو اس طرح مخاطب کیا ہے۔ اے نیند تو سب چیزوں سے زیادہ آرام بخش ہے پیاری نیند تو سب دیوی دیوتاؤں سے حلیم اور شریف ہے تو قلب کو سکون اور اطمینان بخشتی ہے اور تمام قسم کے تفکرات کو دور کردیتی ہے۔ جو لوگ محنت کرکے چور ہوجاتے ہیں اُن کو تقویت دیتی ہے اور پھر کام کے قابل کردیتی ہے +

"پھر کام کے قابل کردیتی ہے" یہ ایک عجیب اور عمدہ خیال ہے۔ اکثر واقعات اس قسم کے سُننے میں آتے ہیں۔ کہ فلاں شخص محنت شاقہ کی وجہ سے بیکار ہوگیا یا مرگیا۔ یا یوں کہنا چاہیئے کہ عدم آرام کی وجہ سے ایسا ہوا۔ یہ ایک عجیب بات ہے کہ کوئی شخص ایک کام محنت سے کرے اور نیچر کے قانون کی پابندی بھی کرے۔ یعنی آرام بھی کرلیا کرے تو پھر اس میں فایدہ ہے لیکن اگر وہ برابر کام کرتا چلا جائے اور نیچر کے لنگر کی حرکت کا مقابلہ کر بیٹھے تو انجام کار اُس کو نقصان اور خسارہ اٹھانا پڑے گا نہ اس لیئے کہ اس نے حد سے زیادہ کام کیا بلکہ اس لیئے کہ اُس نے نیچر کے قانون کی خلاف ورزی کی ہے۔ آپ کہہ سکتے اور میں بھی مانتا ہوں کہ بعض اوقات ایسی مجبوری ہوجاتی ہے کہ آرام کرنا حرام ہوجاتا ہے۔ ہاں نیچر مستقل تو ہے لیکن سخت نہیں ہے۔ وہ ایک مہربان مہاجن کی طرح ہے۔ جو کہ زیادہ روپیہ لینے کی اجازت کبھی دیدیتا ہے۔ لیکن یہ بہت ہی محدود رعایت ہے۔ تھکاوٹ ایک حد تک نقصان نہیں کرتی۔ لیکن حد سے زیادہ گذرنے سے ضرور نقصان ہوتا ہے تھکاوٹ اگر بہت زیادہ ہوجائے تو پھر لاعلاج ہوتی ہے۔ بظاہر تو ہم تندرست نظر آنے لگتے ہیں لیکن فی الحقیقت ایک کمزوری باقی رہجاتی ہے۔ جو زیادہ محنت کرنے سے پھر بڑھ کر نقصان کرتی ہے۔ انسان یا گھوڑے کا معلم اس بات کو خوب جانتا ہے اور وہ آپ کو بتلائے گا کہ صرف کسی انسان یا جانور کو سدھارنا ہی اس کا کام نہیں ہے۔ بلکہ اُسکا خیال ہمیشہ اس بات پر لگا رہتا ہے کہ کس وقت کام سے ٹھہر جانا چاہیئے تاکہ ایسا نہ ہو کہ زیادہ کام سے نقصان ہوجائے۔ کیا آپ نے

کبھی دوڑش کرنے والوں اور گھوڑوں کی نسبت نہیں سُنا ہے کہ بعض وقت وہ عجیب نادر کرتب دکھلاتے تھے لیکن کبھی نامراد ہو کر پھر اُس اصلی حالت کو نہیں پہنچے۔ اس کی کیا وجہ ہے۔ اس کی یہی وجہ ہے کہ اُنھوں نے بہت زیادہ روپیہ نکال لیا اور آخر نیچر نے ان کا دیوالہ نکال دیا۔

یہاں تک نیچر اور اُس کے قانون کے متعلق بیان کیا گیا ہے۔ پس ہم بحیثیت اِنسان کس طرح ان امور کو لے کر اُسی پر عمل پیرا ہیں۔ جواب میں مَیں کہتا ہوں کہ چار قسم کے لوگ ہیں +

اوّل۔ وہ ہیں جو باعث لاعلمی ٹھوکر کھاتے اور بعض وقت دُکھ اور تکلیف میں مبتلا ہو جاتے ہیں بعض وقت خوش قسمتی سے یا اتفاقیہ آگے بڑھ جاتے ہیں۔

دوسرے وہ ہیں جن کو علم ہوتا ہے۔ مگر کچھ پرواہ نہیں کرتے۔ اور جب اُن پر کوئی مصیبت وارد ہوتی ہے تو یہ چاہتے ہیں کہ ہر ایک اُن کی اس تکلیف میں شریک ہو۔ حالانکہ اُن کو دوسرے کے رنج اور تکلیف کا کچھ بھی خیال نہیں ہوتا۔ یہ عموماً خود غرض لوگوں کا طبقہ ہے۔ جو کہ صرف اپنی خواہش اور آرام کے طالب ہوتے ہیں۔ اُن کا مقولہ ہے کہ "بلا سے کوئی ڈوبے میں تو تیرتا ہوں" لیکن اگر وہ خود بھی ڈوبیں تو کیا اس میں کوئی ناانصافی ہوگی۔ میرے خیال میں تو کوئی بھی نہیں ہے۔ وُہ محض اپنے مطلب کے بندے ہیں اور دُنیا غریب اور لاچار نہیں ہوگی۔ اگر ان لوگوں کو بھی مصائب جھیلنے پڑیں تیسرا وہ گروہ ہے جو قانون کو جان کر بھی بالارادہ اُس کا مقابلہ کرتا ہے۔ اس گروہ میں ایزاد اسوجہ سے ہو گئی ہے کہ آجکل مصنوعی طریق زندگی کا چاروں طرف زور پھیلا ہے۔ خصوصاً بڑے شہروں میں جہاں اکثر راتیں دن میں بدل جاتی ہیں یعنی ارزاں روشنی ملنے کی وجہ سے راتوں کو کام یا دوسرے مشاغل ہُوا کرتے ہیں۔ حالانکہ نیچر نے رات کو اس لیئے بنایا ہے کہ کام چھوڑ کر استراحت اور آرام کیا جاوے۔ مینے بارہا اس بات کو بیان کیا اور پھر کہتا ہوں کہ ان تمام بیماریوں کا سبب یہی ہے کہ زیادہ تر لوگوں نے رات کو دن بنالیا اور اس کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ قوانین قدرت ہماری سہولت کے مناسب حال ہو جائیں۔ بجائے اس کے ہماری سہولیت قوانین کے ماتحت ہے اور یہ وہ راہ ہے جس کا نتیجہ ہمیشہ خطرناک ہوگا۔ قوانین قدرت ہی پر چلنے سے ہم محفوظ رہ سکتے ہیں۔ اور اگر ہم اسکے مطابق عمل پیرا نہ ہوں تو پھر نیچر اپنا انتقام لینے پر مجبور ہوگی اور اُس کا نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ ہماری صحت اور دماغی طاقتیں خراب اور زائل ہو جائیں گی اور ہماری زندگی کم ہو جائے گی +

چوتھے وہ لوگ ہیں جو نیچر اور خدائے نیچر کو جانتے اور اُس کی تعظیم بجالاتے ہیں۔ اور لنگر کی حرکت کے دور میں نتیجہ خیز کام کرتے اور اس سے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ وقت پر کام کرتے وقت پر کھیلتے اور وقت پر آرام کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ ؎

آرام نہیں ہے ترکِ شغلِ دُنیا ۔۔۔ نادان ہیں جو کہ ہیں سمجھتے ایسا
داناؤں کے نزدیک یہ ہے راحتِ عین ۔۔۔ خالی نہ رہے شغل سے کوئی لمحہ

الغرض یہ وہ لوگ ہیں جو زندگی کو اچھے طور سے استعمال میں لاکر خاطر خواہ فائدہ اُٹھاتے ہیں خوشی کے ساتھ محنت کرتے اور خوشی سے کام کرتے اور خوشی سے آرام بھی کرتے ہیں۔ اور جب وہ آخری بلاھٹ جو سب کے لیئے آنے والی ہے۔ اور جو تمام محنت کا خاتمہ کرنے والی ہے آجائیگی تو پھر وہ امن و آرام کی نیند سوئیں گے۔ اور خوشی کے ساتھ پھر بیدار ہونگے +

افریقہ میں اسلام

از دوستی محمد صاحب

اسلام کی اس حیرت انگیز ترقی کا راز جس نے وہاں کے عیسائیوں میں کچھ عرصہ ہوا ایک کھلبلی سی پیدا کردی تھی اور جس کا آخری نتیجہ مشہور و معروف کیکیو کی کانفرنس تھی۔ اِس دین کی سادگی میں اور فطرت انسانی کے ساتھ مناسبت میں ہے۔ کیونکہ انسان کی فطرت اسے فوراً قبول کرنے کے لیئے تیار ہو جاتی ہے +

ان لوگوں کا جو یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ جو کچھ اُن کے مونھ سے نکل جائے وہ ان ٹل ہے یہ فتوے ہے کہ اسلام ایک ناقابل ترقی مذہب ہے جو صرف ادنےٰ حالت کے انسانوں کے لیئے موزون ہے پس یہ لوگ افریقہ میں اسلام کی ترقی کی یہی وجہ گردانتے ہیں۔ لیکن حق یہ ہے کہ یہ محض ایک ڈھکوسلا ہے جو دِل کو تسلی دینے کے لیئے بنایا گیا ہے۔ اور اصل راز اسلام کی کامیابی کا یہ ہے کہ اس کی تعلیم کو انسان آسانی سے سمجھ لیتا ہے اور دوسرے مذاہب میں جو کچھ لاینحل عقدے

اور عقیدے ہیں ان سے یہ بکلی پاک ہے۔

اسلامی واعظ کا طریق نہایت سادہ ہے۔ وہ ان سارے سامانوں کے بغیر جاتا ہے جن کو دوسرے مذاہب کے مشنری ضروری سمجھتے ہیں۔ اس کا سارا سامان صرف ایک قرآن کریم ہے۔ وہ جب ایک گاؤں کی حدود میں پہنچتا ہے تو ایک درخت کے نیچے بیٹھ جاتا ہے اور اپنی پاک کتاب کو کھول کر اسے پڑھنا شروع کر دیتا ہے۔ نماز کا وقت آتا ہے تو نماز کے لیئے کھڑا ہو جاتا ہے۔ اور جب فارغ ہوتا ہے پھر قرآن کریم کی تلاوت میں مصروف ہو جاتا ہے۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ وہ نہ ان لوگوں کی زبان سمجھتا ہے اور نہ ہی اُس کے پاس خوراک کا سامان ہوتا ہے۔ اتنے میں اِدھر اُدھر سے کوئی گاؤں کا رہنے والا آجاتا ہے۔ وہ پہلے دُور سے اس اجنبی کی حرکات کو دیکھتا ہے اور پھر گاؤں میں جا کر اطلاع دیتا ہے کہ کوئی اجنبی شخص درخت کے نیچے پڑا ہے۔ گاؤں کا نمبردار گاؤں کے بوڑھے لوگوں کو جمع کرتا ہے اور وہ سب اکٹھے ہو کر اس واعظ کے پاس آتے ہیں اور اشاروں سے اُس سے دریافت کرتے ہیں کہ وہ کہاں سے آیا ہے اور اُس کا کیا مطلب ہے۔ وہ بھی اشاروں سے ہی جواب دیتا ہے کہ وہ خدا کا کوئی پیغام لے کر ان کے پاس آیا ہے۔ تب وہ اس سے غذا کے متعلق دریافت کرتے ہیں اور اُس کی ضرورت کو سمجھ کر فوراً غذا کا انتظام اُس کے لیئے کیا جاتا ہے۔ نمبردار اُس سے درخواست کرتا ہے کہ وہ اُس کے ساتھ گاؤں کے اندر چلے۔ مگر واعظ اس بات کو نامنظور کرتا ہے ایک یا دو دن گذر جاتے ہیں۔ اور اس کو اسی طرح خوراک کا سامان پہنچتا رہتا ہے۔ تب پھر نمبردار اُس کے پاس آتا ہے اور اُس سے درخواست کرتا ہے کہ وہ گاؤں کے اندر چل کر رہے تب وہ اُسے منظور کرتا ہے اور نمبردار کے احاطہ میں جا ڈیرا کرتا ہے۔ یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ افریقہ میں ایک نمبردار کی بہت عزت کی جاتی ہے۔ وہ نہ صرف نمبردار ہی ہوتا ہے۔ بلکہ خاندان کا سردار بھی ہوتا ہے۔ اور قریباً سب افریقہ کے لوگ اسی طرح پر رہتے ہیں۔ اس کے لوگ اس کے بچوں کی طرح ہوتے ہیں اور ہر ضروری معاملہ میں خواہ وہ خانگی امر ہو یا عامہ بہبودی سے تعلق رکھتا ہو اسکا مشورہ لیا جاتا ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ واعظ کی بھی نمبردار کے احاطہ میں رہنے کی وجہ سے خاص عزت ہوتی ہے۔ اور اس کے ذاتی تقدس کی وجہ سے اس کا خاص رُعب گاؤں والوں کے دلوں پر ہوتا ہے اب یہ واعظ ایک طرف تو خود اس گاؤں کی زبان میں دسترس حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے

اور دوسری طرف تھوڑا تھوڑا علم زبان عربی کا نمبردار اور دوسرے لوگوں کو جو اس کے احاطہ میں رہتے ہیں دینا شروع کرتا ہے۔ اس کی توجہ اور دلسوزی کا بھی ان لوگوں پر خاص اثر ہوتا ہے۔ اور اس لیئے وہ اس کے مذہب کی نسبت اس سے سوال کرنا شروع کرتے ہیں۔ اس وقت تک وہ بھی ان کی زبان کو اس حد تک سیکھ لیتا ہے کہ مذہب کے موٹے اور اہم اصول کو اُسکے سامنے بیان کر سکے۔ پس وہ سب سے پہلے اُن کو کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی تعلیم دیتا ہے اور اُن کو بتاتا ہے کہ اسلام کیا ہے جس کا اثر ان لوگوں کے دلوں پر بہت ہوتا ہے۔ چونکہ یہ ساری تعلیم نہایت سیدھی سادی اور اقرب الی الفہم ہوتی ہے۔ نمبردار اپنے خاندان سمیت مذہب اسلام اختیار کر لیتا ہے۔ آہستہ آہستہ سارا گاؤں ہی مسلمان ہو جاتا ہے۔ اور ایک خاص جھونپڑی بنائی جاتی ہے۔ جو مسجد کا کام دیتی ہے۔ نماز کے لیئے پانچوقت اذان دی جاتی ہے۔ اور گاؤں کے لوگ پکے اور سچے مسلمان بنائے جاتے ہیں ؛

افریقہ میں شاید کوئی ہی ایسا گاؤں ہوگا جو کسی نہ کسی قسم کی مشنری کوشش سے آشنا نہ ہو چکا ہو۔ اس لیئے ہر ایک افریقی عموماً اس خاص مذہب کا کچھ خاص علم رکھتا ہے۔ جس کی بجائے ایک سچا مذہب قائم کرنا اسلام کی اصلی غرض تھی۔ مگر ان پرانے عقائد کی بناء پر جو نئے عقاید کا ایک گورکھ دھندا بنا لیا گیا ہے۔ وہ غریب افریقیوں کو پریشان کر دیتا ہے۔ جیسا کہ مغرب میں بھی لوگوں کو پریشان کر کے اس گورکھ دھندے نے آخر بادہ پرستی تک پہنچا دیا ہے۔ یہ بلا وجہ فرض کر لیا گیا ہے کہ ایک افریقی غور و فکر نہیں کر سکتا۔ اصل بات یہ ہے کہ وہ اپنی بت پرستی کو جس کے ساتھ بہت سی قیود اور پابندیاں لگی ہوئی ہیں اس مذہب پر ترجیح دیتا ہے جو انسان کے دل کو تشفی تو نہیں دیتا مگر اس کے سامنے کچھ لاینحل عقدے رکھ دیتا ہے۔ پھر اس کو عملی ثبوت بھی اس بات کا ملجاتا ہے۔ کہ سفید لوگوں کا مذہب ذو وجہین ہے۔ اور ہمیشہ اس کے وہ معنے لیئے جاتے ہیں جو یوروپین کے حق میں ہوں۔ ایک طرف گورے رنگ کا تاجر ہوتا ہے جو اسی مذہب کا پیرو ہے۔ مگر وہ ہر قسم کی ناجائز کارروائیوں سے ایک افریقی کا مال لے لینا جائز سمجھتا ہے۔ دوسری طرف گورے رنگ کا مشنری ہے جو یہ تعلیم دیتا ہے کہ تو چوری نہ کرنا۔ اور اس خدائی حکم کی فضیلت پر اپنی ساری فصاحت خرچ کر دیتا ہے پھر یوروپین مشنری تو تعداد ازدواج کو بُرا بتاتا ہے۔ مگر بہتیرے یوروپین عورتوں کے معاملہ میں افریقی سے بھی بڑھ

جاتے ہیں۔ اور وہ بدقسمت اولاد جو اس قسم کی ملاوٹ سے پیدا ہوتی ہے۔ اس کو افریقی اور یورپین دونوں نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ پھر پادری تو یہ تعلیم دیتا ہے کہ سارے انسان خدا کی نگاہ میں یکساں ہیں مگر خدا کے گھر میں یورپین کو پادری کے قریب جگہ ملتی ہے۔ اور افریقی کو اگر کورے آدمیوں کے خاندان میں جانے کی اجازت بھی ملے تو اُسے کہیں آخر پر بٹھایا جاتا ہے۔ مسیحی کی تعلیم تو یہ ہوتی ہے کہ ایک دوسرے سے محبت کرو۔ کیونکہ ہم خدا کے آگے سب بھائی بھائی ہیں۔ مگر اس خدائی محبت کے گھر کی چار دیواری کے اندر بھی محبت اور اخوت کا نام و نشان نظر نہیں آتا +

اس لیئے افریقی اگر اس مذہب کو قبول کرتا ہے تو یا تو کسی ذاتی غرض کی بنا پر اور یا اس لیئے۔ کہ وہ اس کو اپنے مذہب کی اسقول پوجا سے بہتر سمجھتا ہے۔ مگر اس قسم کے لوگوں کی مذہبی کشمکش کا نتیجہ یا تو یہ ہوتا ہے کہ وہ ایک دھوکہ میں مبتلا رہتے ہیں۔ یا وہی ہر قسم کی اشیاء کی پوجا جو اُن کے بڑے کیا کرتے تھے اُسی میں وہ پھنسے رہتے ہیں۔ اور یہ بات ساحل کے شہروں کے بعض بڑے بڑے تعلیم یافتہ لوگوں پر صادق آتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ افریقہ میں عیسائی لوگ بہت پائے جاتے ہیں۔ مگر یہ دو قسم کے لوگ ہیں۔ ایک وہ جنھوں نے عیسائیت کو اپنے غلام باپوں یا بوئروں کے اثر سے ورثہ میں پایا جب ابھی اسلام اس ملک میں نہیں پہنچا تھا۔ اور یہ اثر مغرب اور جنوب میں نظر آتا ہے اور دوسری وہ قومیں جو تلاش روزگار میں مغرب کی طرف ساحل پر یا جنوب کی طرف کانوں پر آتی ہیں۔ ان لوگوں نے اکثر حالات میں غالب مذہب کو اختیار کر لیا ہے۔ کیونکہ یہ گورے آدمیوں کا مذہب ہے۔ اور جب وہ واپس اندرون ملک میں جاتے ہیں تو اپنے باپ دادا کے مذہبی رسم و رواج کی پابندی اختیار کرتے ہیں۔ مگر اسلام کا وعظ اس کے سرگرم واعظین کے ذریعہ سے افریقی لوگوں پر سیدھا اثر کرتا ہے۔ اور افریقی دیکھتا ہے کہ اسلامی واعظ کو نہ تو کسی مشن ہاؤس کی ضرورت ہے نہ ہی مسلمان کے دین کی مذہبی اخوت اور مساوات محض ایک قصہ ہے بلکہ یہ عملی رنگ کی مساوات ہے اور جو شخص اسلام میں داخل ہوتا ہے اس کی خانگی زندگی میں بھی کوئی ہرج پیدا نہیں ہوتا۔ اور یہ بھی وہ دیکھتا ہے کہ ہر ایک نقطۂ خیال سے اسلام ایک معقول مذہب ہے۔ اسلیئے یہ جلدی قبول کیا جاتا ہے۔ اور افریقی مسلم فوراً اپنے لکڑی کے خداؤں کو خیرباد کہکر ایک طرف کا ہو جاتا ہے۔ اور قرآن کی تعلیم اور حکومت کو تمام معاملات میں قبول کر لیتا ہے۔ حق تو یہ ہے کہ افریقی

مُسلمان کا سادہ مذہب اپنی عظیم الشّان سادگی میں ابتدائی اسلام سے بُہت زیادہ قریب ہے بہ نسبت اس کے جو اسلامی دُنیا کے کسی دُوسرے کونہ میں پایا جاتا ہو۔ کیونکہ یہ پریشان کرنے والی تفسیروں سے پاک ہوتا ہے +

افریقی مُسلمان کی یہ یکسوئی صرف اسی حد تک نہیں کہ وہ قرآن کریم کی منع کی ہوئی چیزوں سے رُک جاتا ہے۔ بلکہ وہ تعلیم وغیرہ کے معاملہ میں بھی اسی کی پیروی کرتا ہے۔ بدقسمتی سے یا خوش قسمتی سے اندرُون ملک کے عام افریقی مسلمان کتابی تعلیم سے بُہت حد تک بے بہرہ ہوتے ہیں۔ وہ عیسائی مشن سکول سے بچتا ہے۔ کیونکہ اسلام کی ایسی محبت اُس کے دل میں جاگزین ہوتی ہے کہ وہ ڈرتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کے بچّوں پر اس تعلیم سے اس مذہب کا کچھ اثر پڑ جائے جس کو وہ نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ وہ عیسائیت سے اس لیئے بیزار نہیں ہوتا کہ یہ مسیح کا مذہب ہے۔ کیونکہ مسیح کی تو اسے سچّے دِل سے عظمت کرنا سکھایا جاتا ہے۔ بلکہ اس کی حقارت اور تنفّر کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ پچھلے لوگوں نے مسیح کی سادہ تعلیم پر کیسے کیسے زوائد بڑھا کر اس کو اصلیت سے پھیر دیا۔ اُس کو یہ بھی افسوس ہوتا ہے کہ کوئی اسلامی مدرسے اس کے قریب نہیں۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ تعلیم سے بے بہرہ رہنے کی وجہ سے اس کے بچّے ان عیسائی بچّوں سے دنیا کی دوڑ اور ترقی میں پیچھے رہ جائیں گے۔ جن کو تعلیمی فوائد سے فائدہ اُٹھانے کا بُہت بڑا موقعہ حاصل ہے +

مگر اس کی اس کمی کو جو کتابی تعلیم میں اس کے لاحق حال رہتی ہے۔ اس کی راست بازی اور دیانتداری پُورا کر دیتی ہے۔ کیونکہ خود یورو پین عیسائی تاجر ہزارہا روپے کا مال بغیر ضمانت کے ایک افریقی مسلمان کو دیدیں گے۔ مگر کسی دیسی عیسائی کو ضمانت لیئے بغیر وہ ایک کوڑی کا مال بھی نہیں دیتے خواہ وہ کتنا ہی مشہور ہو۔ افریقی مسلمان کا قول و قرار ایسا پختہ ہے کہ خود عیسائی بھی اُس پر پُورا اعتبار کر لیتے ہیں مگر افریقی عیسائی کے اعتبار کا نہ ہونا ایک ضرب المثل ہے سطحی نظر سے دیکھنے والا اس پر تعجب کریگا مگر اس سے یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ خود عیسائیوں کو اس بات پر کس قدر کم اعتبار ہے کہ انکا مذہب دیانتداری اور راستبازی کی صفات کو فوراً پیدا کر سکتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ یورو پین لوگوں کی یہ طرز معاملہ افریقی عیسائیوں کے ساتھ منصفانہ نہیں۔ میں خود ایسے افریقی عیسائیوں کو ملا ہوں اور ان کے ساتھ معاملہ کیا ہے جو بڑے دیانتدار تھے۔ اور مجھے فخر ہے کہ میں اُنکو اپنے دوستوں میں سے

شمار کرتا ہوں۔ اس کے برخلاف میں ایسے مسلمانوں سے بھی ملا ہوں جن کی وجہ سے مجھے بہت شرمندہ ہونا پڑا ہے۔ کیونکہ اُن کا چال چلن دیانتدارانہ نہ تھا۔ انسان آخر انسان ہے۔ اور اچھے اور بُرے آدمی سب مذاہب میں ملتے رہیں گے +

وہ افریقی عیسائی جن کی حالت اچھی نہیں وہ درحقیقت کبھی ایسے یوروپین عیسائی کے زیر اثر رہے ہیں جس کا اپنا چلن اچھا نہیں اور افریقی چونکہ قدرتاً جلدی اثر قبول کرتا ہے۔ وہ ایک یوروپین کو اپنے سے بہت بڑا سمجھ کر اس کے بدحالات سے بھی جلدی متاثر ہو جاتا ہے +

اسلام ایک صلح کا مذہب ہے یہ ہمیشہ اپنے آپ کو صلح کے طریق سے ہی آگے بڑھاتا رہا ہے۔ ہمارے ہاتھ میں کوئی صحیح اعداد نہیں مگر اندازہ کیا جاتا ہے کہ افریقہ میں کوئی قریباً بیس ۲۰ ملین یا دو کروڑ مسلمان ہیں۔ اور یہ تعداد سال بسال بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ عیسائی مشنری اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ وہ اسلام کی قبولیت کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ بہت سے ایسے افریقی عیسائی تو ہیں جنھوں نے عیسائیت کو چھوڑ کر اسلام قبول کیا ہے۔ مگر جو افریقی مسلمان ہو گئے ہیں اُن میں سے کوئی عیسائیت کیطرف نہیں گیا۔ تخم ڈال دیا گیا ہے اور لاکھوں افریقہ کے احاطوں سے یہ آواز بلند ہوتی ہے۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ +

مختلف تمدنی اور مذہبی قوانین کے ماتحت عورت کی حالت

(از مشیر حسین قدوائی)

(۱) ابتدائی تاریخ

نسل انسانی اور اس کی ترقی کی طویل تاریخ میں نسل انسانی کی افزائش اور دنیا کے تمدن میں عورت ایسا ہی ضروری جزو ہے جیسا کہ مرد۔ مگر اس کو ہمیشہ ایک کم حیثیت کی مخلوق سمجھا گیا۔ یہاں تک کہ عرب کے بیابان میں ایک یتیم نے اس الٰہی ارشاد کی منادی کی (القرا)

الارحام یعنے عورتوں کی عزت کرو۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں لکھا ہے کہ انگریزی لفظ وومن جس کے معنے عورت ہیں۔ خود اس بات پر شاہد ہے کہ عورت کی تاریخ احتیاج اور ماتحتی کی ایک لمبی داستان ہے سب سے قدیم تاریخ جسکا ہمکو علم ہے وہ ہمیشہ کے لیئے اس واقعہ پر گواہ رہے گی کہ عورت کو ہمیشہ ماتحتی میں رکھا گیا۔ اور حقوق اور اختیارات کے معاملہ میں اُسے مرد سے کم درجہ پہ سمجھا گیا۔ گبن لکھتا ہے کہ قدیم قوانین کا اصل منشا یہ تھا کہ عورتیں پروہتوں خاوندوں یا ولیوں کی مدامی طور پر غلامی میں رہیں۔ گویا یہ جنس محض خوش کرنے اور حکم ماننے کے لیئے پیدا کی گئی تھی۔ اور اس عمر کو کبھی یہ پہنچ ہی نہیں سکتی جس میں اپنی عقل اور تجربہ سے انسان کام لے سکتا ہے +

رومی قانون میں عورت بالکل ماتحتی کے رنگ میں رکھی جاتی تھی۔ ایک لڑکی کی قسمت میں جبکہ اُس کا بیاہ نہ ہوا ہو وہ اپنے باپ کی زندگی میں ہمیشہ کے لیئے اس کی غلامی میں اور اُس کے مرنے کے بعد اس کے مرد رشتہ داروں یا متبنیٰ کی غلامی میں رہتی تھی۔ بیاہا جانے پر وہ اور اُس کی ساری جائیداد اس کے خاوند کے قبضہ اور تصرف میں چلی جاتی تھی۔ بلکہ فی الواقعہ وہ خود خاوند کی جائیداد کے طور پر سمجھی جاتی تھی اور اس کا اختیار اس سے بڑھکر نہیں تھا جس قدر ایک زر خرید غلام کا۔ رومی قانون کے بعض مراحل پر ایک خاوند کو یہ حق دیا جاتا تھا۔ کہ وہ اپنی عورت کو مار ڈالے۔ اگر اُسے معلوم ہو کہ اُس نے کسی شخص کو زہر دی ہے یا کسی شخص کو شراب پلائی ہے۔ یا کسی اور کے بچہ کو لے کر اپنا متبنیٰ کر لیا ہے۔ انگریزی قانون یورپ کے دوسرے بہت سے قوانین کی طرح رومی قانون پر مبنی ہے۔ پس انگلستان کی صنف نازک کو شکر گذار ہونا چاہیئے کہ اس قسم کے سخت اور جابرانہ قوانین رومی قوانین میں سے برطانیہ کلان کے قوانین میں داخل نہیں ہوئے۔ تاہم یہ معلوم ہوگا۔ کہ انگریزی قانون نے رومی قانون کے قواعد کی کہاں تک پابندی کی ہے۔ جب ہم رومی قوانین اور رواجات کی تاریخ کو پڑھیں۔ رومی اپنی عورتوں کو یہ اجازت نہیں دیتے تھے کہ وہ کسی قسم کا کام سول یا پبلک عہدہ کے متعلق کر سکیں۔ بلکہ ایک عورت بطور گواہ بھی پیش نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ نہ کسی کو متبنیٰ کر سکتی تھی اور نہ خود متبنیٰ ہو سکتی تھی اور نہ وہ ضامن ہو سکتی تھی۔ مسیح سے تیس سال پیشتر کی

اپنی انگلستانی بہن کی طرح اُس کی کوئی ذاتی جائیداد اس کے خاوند سے علیحدہ نہ تھی وہ نہ وصیت کر سکتی تھی اور نہ معاہدہ کر سکتی تھی +

مضبوط اولاد حاصل کرنے کی غرض سے لائی سرگس نے بیاہ کی عمر کو جس کی حد نو مانے بارہ سال کی تھی بڑھا دیا۔ قدیم زمانہ کے رواج کے مطابق خاوند اپنی زوجہ کو اُس کے والدین سے خرید کر لاتا تھا۔ اور عورت بھی اس میں اس طرح پر شرکت حاصل کرتی تھی کہ وہ تین تانبے کے سکے ادا کر کے اُس گھر میں داخل ہوتی تھی۔ لیکن یہ شراکت عورت کی جانب سے سخت اور نامساوی تھی۔ کیونکہ اسکو اپنے باپ کے گھر کے دیوتاؤں کی پوجا اور نام دونوں کو عاق کرنا پڑتا تھا۔ اور ایک نئی غلامی اختیار کرنی پڑتی تھی۔ اس کا خاوند اس کے ساتھ اس طرح سلوک کرتا تھا جیسا بچوں کے ساتھ۔ بلکہ خود اُس کے اپنے بچوں کے ساتھ جو سلوک کیا جاتا تھا وہی اُس کے ساتھ کیا جاتا تھا۔ اور خاوند ہونے کی حیثیت میں اس کو اسی قدر اختیار اپنی زوجہ پر حاصل تھا۔ جس قدر باپ کو بیٹی پر۔ وہ اپنی مرضی سے اُس کے سلوک کو پسند کرتا یا بُرا سمجھتا یا اُس کی وجہ سے اُسے سزا دیتا۔ بلکہ موت اور زندگی کے اختیارات بھی اُس کے اوپر حاصل تھے اور اُسے اجازت تھی کہ اگر وہ زنا کرے۔ بلکہ اگر صرف شراب کو چکھے یا اس کو ٹھڑی کی چابی چرالے تو وہ اُسے جان سے مار سکتا تھا۔ وہ جو جائیداد خود حاصل کرتی اور جو کچھ ورثہ میں پاتی وہ صرف اپنے آقا اور مالک یعنی اپنے خاوند کے لیئے حاصل کرتی اور عورت کو کھلے طور پر مال کا ایک حصہ سمجھا جاتا تھا۔ نہ کہ ایک شخص کی حیثیت رکھنے والا۔ اس لیئے اگر اس پر قبضے کا پہلا حق اپنے اندر کوئی نقص رکھتا تو دوسری جائیداد غیر منقولہ کی طرح ایک سال کے قبضہ سے اُس پر ملکیت کا دعوے ہو سکتا تھا +

راقم الحروف نے جب پمپیائی کے ان مقامات کو دیکھا جو کھود کر نکالے گئے ہیں۔ اور وہ بیحیائی کی تصویریں گھروں کے صحنوں میں دیکھیں جو معزز اور آسودہ حال لوگوں کے رہنے کے مکانات معلوم ہوتے تھے جب اُس نے بڑے بڑے کمروں کی دیواروں پر نہایت گندی تصویروں کو دیکھا تو وہ ذیل کے دو نتیجوں میں سے ایک نتیجہ پر پہنچنے پر مجبور تھا۔ یا تو رومی سلطنت کی تاریخ کے اس زمانے میں عورت کو علیحدہ رکھا جاتا تھا۔ اور وہ مکان کے اس حصہ میں داخل نہ ہو سکتی تھی جہاں مرد رہتے تھے۔ یا مردوں کو صنف نازک کی حیاداری اور خیالات کی کوئی پروا نہ تھی۔ پھر افعال قبیحہ

کے از نکاب کے لیئے مکانات کا مخصوص کیا جانا اس وقت کی رومی سوسائٹی کی تمدنی حالت پر خود روشنی ڈالتا ہے +

گسٹاویسیان کہتا ہے کہ روما میں خاوند کی حکومت عورت پر بالکل خود مختارانہ تھی۔ عورت کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا جاتا تھا۔ جیسا غلام کے ساتھ اور خانہ داری میں اُس کا کوئی حصہ نہیں سمجھا جاتا تھا۔ خاوند کے سواء کسی شخص کو اختیار نہ تھا۔ کہ اس کے چال چلن پر کوئی رائے لگائے۔ اور وہ اس کو جان سے بھی مار سکتا تھا۔ روم کی بعد کی تاریخ میں بھی اس قسم کا جبر عورتوں پر روا رکھا جاتا تھا۔ چنانچہ ایک مصنف لکھتا ہے۔ کہ شاریسن کی اپنی بہین کے ساتھ کچھ بحث ہوگئی اور انجام اس کا یہ ہوا کہ اُس نے اپنی بہن پر حملہ کیا۔ اُس کے سر کے بال نوچ ڈالے۔ خوب زدوکوب کی اور تین دانت بھی نکال دیے +

تعدد ازدواج بھی کسی قدر روما میں مروج تھا۔ گو ابتداء میں اس کو عام طور پر پسند نہ کیا جاتا تھا۔ یہ امر واقع ہے کہ مارک انٹوی کی دو بیویاں تھیں اور اس وقت سے یہ رسم زیادہ پھیلتی گئی۔ گرد و نواح کی ریاستوں میں تعدد ازدواج کی کھلی اجازت تھی۔ رومیوں میں شادی کے لیئے باپ کی منظوری ضروری تھی۔ گو وہ پاگل بھی ہو۔ طلاق کے متعلق مختلف اوقات میں مختلف وجوہ تھیں۔ ابتدائی زمانوں میں باپ کو اختیار تھا۔ کہ وہ اپنی اولاد کو بیچ دے اور عورت بھی چونکہ بچوں میں شامل تھی وہ بھی بیچی جا سکتی تھی۔ اگر وہ کسی قسم کی تکلیف دے تو وہ اس پر موت کا فتوے بھی صادر کر سکتا تھا۔ یا اگر رحم کرے تو اُس کو اپنے گھر سے نکال دے۔ مگر اس بدبخت جنس کی غلامی ہمیشگی کی تھی اور وہ اس سے آزادگی حاصل نہ کر سکتی تھی۔ اگر خاوند خود ہی اپنی آسائش کے لیئے طلاق کے حق کو نہ برتے۔ یہ عورت کی وہ تاریخ ہے جیسا کہ گبن اور دوسرے مصنفوں نے دی ہے جو پرانے زمانے کی ایک نہایت ہی مہذب اور شاندار سلطنت میں پائی جاتی ہے۔ اور جس سے اس زمانے میں یورپ نے بہت سے رواجات اور قوانین کو لیا ہے۔ اور اس لینے پر اُس کو فخر بھی ہے +

عورت کی حالت قدیم زمانے کی دوسری مہذب قوموں اور ممالک میں اس سے بہتر نہ تھی جیسا کہ روما میں تھی۔ سپارٹا میں لڑکیاں اور ایسی عورتیں جن سے یہ امید نہ ہو کہ وہ تندرست اولاد پیدا

کرسکیں گی مار ڈالی جاتی تھیں اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عورتوں کی نسبت مردوں سے بہت کم ہوگئی اور ایک ایک عورت کے کئی کئی خاوند تھے۔ ایک آدمی کا اپنی عورت دوسرے کو بطور عاریت اچھی نسل حاصل کرنے کے لیئے دیدینا بھی مروّج تھا۔ قدیم ایتھنز کے رہنے والوں میں عورت کو محض ایک جائیداد کی طرح سمجھا جاتا تھا۔ جو ایک مرد سے منتقل ہوکر دوسرے کے پاس جاسکتی تھی۔ بذریعہ وصیت بھی اس کو مال متروکہ کی طرح دوسروں کے تصرّف کے لیئے چھوڑا جاسکتا تھا۔ وہ مہذب قوم عورت کو ایک خطرہ یا بدی کی قسم سے سمجھتے تھے۔ یونانی تہذیب جب اپنے معراج پر تھی تو اس وقت بھی سوائے بازاری عورتوں کے اور کسی عورت کی عزت نہ کی جاتی تھی اس لیئے اگر کوئی تعلیم یا تہذیب پائی جاتی تھی تو صرف بازاری عورتوں میں پائی جاتی تھی۔ ان میں یہ اجازت تھی کہ ایک مرد جتنی عورتیں چاہے رکھے۔ پروفیسر وسٹر مارک کہتا ہے۔ کہ یونان میں مرد عورت کی پیدائش کی غرض صرف اسی قدر سمجھتے تھے کہ وہ ان کو خوش کرے یا انکے بچوں کی ماں بنے یہ بھی عام خیال تھا۔ کہ عورت زیادہ شریر ہے اور حسد میں بُرا بولنے میں ضد میں مرد سے بڑھ کر ہے۔ افلاطون نے عورتوں کو بچّوں اور نوکروں کے ساتھ شمار کیا ہے اور اس کا بیان ہے کہ ہر ایک پیشہ میں عورتیں مردوں سے بہت کم درجہ پر ہیں۔ ایک اور مصنّف لکھتا ہے کہ عورتیں نیک کاموں کے کرنے کے بالکل ناقابل ہیں۔ لیکن ہر ایک قسم کی بدی کی تجویزیں کرنے میں بڑی ماہر ہیں۔ ایران میں جو اس ملک کے بہت قریب ہے۔ جہاں سے عورت کو اپنی آزادی کے اعلےٰ سے اعلےٰ حقوق ملے اور جہاں سے اس کی عزّت اور ادب قائم ہوئے۔ مرد عموماً عیاش تھے۔ اور ان کے نزدیک عورت کی غرض صرف اسی قدر تھی کہ اُن کی گری ہوئی شہوات کے پُورا کرنے کا ذریعہ ہو۔ ہر ایک دولتمند اپنے گھر میں ایک بڑی تعداد عورتوں کی رکھتا تھا۔ اور عیسائیت کی چھٹی صدی میں مزدک نے یہ قانون بنایا۔ کہ عورت کو بالکل دوسری جائیداد کی طرح سمجھنا چاہیئے۔ وہ اپنے آپ کو زردشت کے مذہب کا مصلح ظاہر کرتا تھا۔ اور دو خداؤں کے عقیدے کو اُس نے بہت پھیلایا۔ اُس کی تعلیم تھی کہ اعمال کی کوئی ضرورت انسان کو نہیں۔ سب لوگ مرتبہ میں یکساں ہیں۔ اور جانور اور عورتیں سب کا مال مشترکہ ہے اور قریبی سے قریبی رشتہ داروں میں شادی ہوسکتی ہے۔

قدیم مصر اور بابل کے تمدنی قوانین اور رواجات کے متعلق ہمکو بہت علم نہیں لیکن تھوڑا علم جو ہم کو حاصل ہے اس سے ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ وہاں بھی عورت کو عزت کا مقام نہ دیا گیا تھا چنانچہ امیر علی لکھتا ہے کہ تھریس اور لیڈیا وغیرہ کی رہنے والی قوموں میں جو یورپ اور مغربی ایشیا کے مختلف مقامات پر آباد تھیں۔ بہت سی شادیاں کرنا ایسی افراط کی حد تک پہنچا ہوا تھا کہ دوسری قوموں میں یہ رواج اس کے بالمقابل گویا بہت ہی خفیف تھا +

ہندوؤں کے قوانین اور رواج عورت کے حق میں بہت ہی نقصان رساں تھے۔ وہ مرد سے بہت کم درجے پر سمجھی جاتی تھی۔ ان کا بڑا قانون بنانے والا منو کہتا ہے کہ دن اور رات عورت کو اُس کی حفاظت کرنے والوں کی ماتحتی کی حالت میں رکھنا چاہیئے۔ کہ عورت جب بچہ ہو تو اپنے باپ کی ماتحتی میں رہے۔ بیاہی جائے تو خاوند کی ماتحتی میں۔ اور اُس کے بعد اپنے بیٹوں کی ماتحتی میں۔ اگر بیٹے کوئی نہ ہوں۔ تو اپنے مرد رشتہ داروں کی ماتحتی میں۔ کیونکہ کوئی عورت ایسی نہیں جو اس قابل ہو کہ وہ مرد کی ماتحتی سے الگ رہے۔ پھر وہ لکھتا ہے کہ عورتیں اپنے بستروں سے اور زیورات سے محبت رکھتی ہیں۔ اُن کی خواہشات بہت گری ہوئی ہوتی ہیں۔ اُن کا مزاج بہت بُرا ہوتا ہے۔ وہ کمزور اور غیر مستقل مزاج ہوتی ہیں۔ اور کبھی راستی پر قائم نہیں رہتی ہیں۔ پس اُن کو ہمیشہ ماتحتی اور تصرف کے نیچے رکھنا چاہیئے۔ ہر قسم کی بدشگنی۔ طوفان۔ موت دوزخ۔ قید خانہ۔ سانپ غرض کوئی چیز ایسی خوفناک نہیں جیسی کہ عورت۔ یہ سچ ہے کہ کچھ وقت کے بعد جائیداد میں اپنی زندگی کے لیئے اُن کو تصرف کا اختیار دیا گیا تھا۔ اسی رواج کی رو سے جس کا نام ستی دھرم ہے۔ لیکن ستی کی رسم کی وجہ سے یہ حق ان کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا تھا بیوہ اپنے خاوند کی لاش کے ساتھ زندہ جلا دی جاتی تھی۔ اور یہ خوفناک رسم اس مقام کی جو عورت کو ہندوؤں کی خانہ داری میں دیا گیا۔ نہایت ہی تاریک تصویر پیش کرتی ہے۔ بعض اوقات ایک عورت ایک ہی وقت میں کئی بھائیوں کی بیوی بنا دی جاتی تھی۔ بعض وقت قمار بازی میں اسے ہار دیا جاتا تھا۔ آج تک بھی ہندوؤں کے اندر تعدد ازدواج کی کوئی حد بندی نہیں۔ نہ کوئی بیوہ کسی بیٹے کو متبنےٰ کر سکتی ہے۔ جب تک کہ اُس کے خاوند نے اس کو ایسا کرنے کی اجازت نہ دی ہو۔ جائداد کے انتقال کرنے کا اُس کو کوئی اختیار نہیں۔ چار یا پانچ سال کی ہو تو اُسے

بغیر اس کی مرضی کے بیاہ دیا جاتا ہے۔ دُوسری مرتبہ شادی کی اجازت نہیں۔ ایک دفعہ بیاہی جاوے تو طلاق نہیں حاصل کر سکتی۔ باپ کو اجازت نہیں کہ وہ اپنی لڑکی کے گھر کا کھانا بھی کھائے وغیرہ۔ چین کے دانشمندوں نے خاوندوں کے فائدہ کے لیئے یہ کھلی نصیحت ان الفاظ میں کی ہے۔ کہ اپنی عورت کے مشورہ کو سن لو مگر کام اُس کے خلاف کرو۔ روس کے قدیم بزرگوں کا قول ہے۔ کہ دس عورتوں میں صرف ایک رُوح ہے۔ ہسپانیہ والے کہتے ہیں کہ ہمیں اپنے آپ کو شریر عورتوں سے بچانا چاہیئے۔ اور کسی خوبصورت عورت پر فریفتہ نہیں ہونا چاہیئے۔ اٹلی والے اس سے ایک قدم آگے بڑھے ہوئے ہیں۔ وُہ کہتے ہیں کہ جس طرح گھوڑے کو خواہ وہ اچھا ہو یا بُرا مہمیز کی ضرورت ہے۔ اسی طرح عورت کو خواہ وہ اچھی ہو یا بُری زدو کوب کی ضرورت ہے۔ جاپان میں عورتوں کو پُرانے وقت میں یہ اجازت نہ تھی کہ وہ نمازیں یا کسی دوسری مذہبی عبادت میں شامل ہوں چین میں اُن کو اجازت نہ تھی کہ وہ مندروں میں جائیں۔ ہندوستان میں وہ دیوتاؤں کو چھو بھی نہ سکتی تھیں +

عربوں کی اپنی یہ حالت تھی کہ اس عظیم الشان مصلح کے پیدا ہونے سے پہلے وہ عورتوں سے دُوسری قوموں سے بھی بدتر سلوک کرتے تھے۔ وہ اپنی لڑکیوں کو زندہ گاڑ دیتے تھے بلکہ لڑکی کا پیدا ہونا ایک بدشگون سمجھا جاتا تھا۔ خاوند کی وفات کے بعد عورت کی وہی حالت ہوتی تھی جو اُس کی دُوسری جائیداد کی۔ اور بعض وقت خود بیٹے اُس کو بطور ورثہ عورت بنا لیتے تھے۔ معصوم لڑکیاں بتوں پر بطور قربانی چڑھائی جاتی تھیں۔ یتیم لڑکیوں کو مجبور کیا جاتا تھا کہ وہ اپنے ولیوں سے شادی کریں۔ تعدّد ازدواج کی کوئی حد بندی نہ تھی۔ ابن خلدون کہتا ہے کہ بعض قبیلوں میں ایک عورت ایک سے زیادہ خاوند بھی رکھ سکتی تھی۔ مؤرّخین عرب کی شہادت پر یہ بھی کہا گیا ہے کہ عرب جاہلیت مدّت سے اس وحشیانہ رسم پر عامل تھے کہ اپنی لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیں۔ تاکہ اُن کو ان کے لیئے رزق مہیا کرنے کی تکلیف نہ اُٹھانی پڑے۔ یا ایسا نہ ہو کہ کسی جنگ میں قید ہو کر وہ اُن کے لیئے موجب ذلت بنیں۔ یا اپنے چال چلن کی خرابی سے بدنامی کا موجب ہوں۔ اس لیئے لڑکی کی پیدائش بڑی بدنصیبی خیال کی جاتی تھی۔ اور لڑکی کی موت پر خوشی منائی جاتی تھی +

صرف عرب میں ہی دختر کشی کی رسم جاری نہ تھی۔ جاپان۔ چین۔ ہندوستان میں خود والدین بچوں کو مار ڈالتے تھے۔ لائی سرگس کے قانون کے مطابق یہ اجازت نہ تھی کہ بغیر پبلک افسروں کی رضامندی کے کسی بچے کی پرورش کی جائے۔ لیکن ایام جاہلیت کے عرب اپنی لڑکیوں کو بڑے ظالمانہ طریقوں سے ہلاک کر دیتے تھے۔ جب کسی عرب کے گھر میں کوئی بیٹی پیدا ہوتی تو اگر اس کا ارادہ ہوتا کہ اس کی پرورش کرے تو وہ اسے ایک اون کے کپڑے میں لپیٹ کر جنگل میں اونٹوں یا بھیڑوں کی حفاظت کے لیئے بھیج دیتا۔ لیکن اگر وہ اُسے مارنا چاہتا تو اُسے چھ سال تک معمولی طور پر نشوونماء پانے دیتا اور پھر اُس کی ماں کو کہتا کہ اس کو خوشبو لگا دو اور بنا سنوار کر دو تاکہ میں اسے اس کی ماؤں کے پاس لے جاؤں۔ اور جب اُس کی زینت وغیرہ ہو جاتی۔ تو اس کا باپ اُس کو ایک گڑھے کے پاس لے جاتا جو اس غرض کے واسطے پہلے سے کھودا گیا ہوتا۔ اور اس کو یہ کہکر کہ گڑھے کے اندر دیکھے پیچھے سے دھکیل دیتا۔ اور پھر گڑھے کو مٹی سے بھر کر زمین کے برابر کر دیتا۔

غرض آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی آمد سے پہلے ساری دُنیا میں عورت کے ساتھ بدسلوکی ہوتی تھی۔ اور قریباً سب کے سب تمدنی قوانین اس کے خلاف تھے (باقی آئندہ)

پادریوں کی غلط بیانیاں

(از لارڈ ھیڈلے)

مارچ کے اخیر مجھے ایک لیڈی کی چھٹی ملی جس نے مشرق میں سفر کیا ہے اور مسلمانوں کے متعلق جن سے وُہ ملی ہے کچھ رائے لگائی ہے۔ وہ لکھتی ہے:-

"۱۸۔ مارچ ۱۹۱۶ء۔ جناب من۔ کل کے ڈیلی گرافک میں "ایک مسلم یادگار" کے عنوان سے آپ کی چھٹی پڑھ کر میں نے محسوس کیا ہے کہ آپ بڑی خطرناک زمین پر چل رہے ہیں۔ اور بہت سے کاہل اور بے خبر انگریزوں کے لیئے ایک دام بچھا رہے ہیں۔ میں کچھ وقت مشرق میں رہی ہوں اور خوب سمجھتی ہوں کہ مذہب اسلام انگریزوں کو کیوں پسند آتا ہے جن کو عیسائی ہونے کی حیثیت میں صرف ایک ہی بی بی سے شادی کرنے کی اجازت ہے۔ میں سُنتی ہوں کہ آپ بھی مذہب اسلام

کے پیرو ہیں۔ کیا میں دریافت کرسکتی ہوں کہ آپ ان سچے اصلی مذہب کے پیرو کیوں نہیں جو ہمکو خدا کے اکلوتے بیٹے نے دیا۔ میں سمجھتی ہوں کہ اس میں اس قدر فیوض ہیں کہ آجکل کے انگریز اس سے خوش نہیں ہوسکتے۔ میں مشرق سے گھر کو واپس آتی ہوئی۔ آپ کے بعض ہم عقیدہ لوگوں سے ملی ہوں اور بعض ان میں سے ایسے جاہل مطلق تھے کہ وہ سمجھتے تھے کہ مذہب اسلام عیسائی مذہب سے پہلے کا ہے بیشک مشرق میں رہتے ہوئے لوگوں کو اس مذہب کا اپیل کرنا آسانی سے سمجھ میں آسکتا ہے +

میں تعجب کرتی ہوں جب میں آپ جیسے آدمیوں کو دیکھتی ہوں کیا کبھی آپ نے ہماری کتاب مقدس کو بھی پڑھا ہے۔ مسیح کا حکم ہمارے لیئے یہ تھا کہ کتب مقدسہ کو تلاش کرو (اس سے مراد پرانا عہدنامہ تھا) کیونکہ تم خیال کرتے ہو کہ ان میں ابدی زندگی ہے۔ اور یہی وہ کتابیں ہیں جو میری شہادت دیتی ہیں۔ کیا آپ نے کبھی ان کتب مقدسہ کو تلاش کیا؟ اگر کیا ہے تو میں یقین رکھتی ہوں کہ آپنے رُوح کی آنکھ کو بند کرکے ایسا کیا ہے۔ رُوح کی چیزوں کو صرف رُوح ہی معلوم کرسکتی ہے"

اس لیڈی نے اس کے بعد بھی مجھے خط لکھا ہے اور گو اُس نے کتب مقدسہ سے میری ناواقفیت کے متعلق اپنے بیان کی ترمیم کی ہے۔ تاہم وہ اس خیال پر بہت مضبوط ہے کہ مذہب اسلام کے لیئے بڑی کشش کا موجب تعدد ازدواج کا مسئلہ ہے۔ میں خیال کرتا ہوں کہ وہ اب تک اس بات کو محسوس نہیں کرسکی کہ خدا کی توحید کا عظیم الشان مسئلہ اس کے تمام عقائد سے بہت پرانا ہے۔ مسلمان ہونے کی حیثیت میں ہم ان ساری تعلیمات کو قبول کرتے ہیں۔ جو ہم کو بہت سے قدیم ذرائع کی وساطت سے پہنچی ہیں۔ آدمؑ۔ نوحؑ۔ ابراہیمؑ۔ موسٰےؑ اور مسیحؑ سب اپنے اپنے زمانہ میں وُہ خدا کے پیغام لائے۔ جو ہم تک پہنچے ہیں اور ہم یقین رکھتے ہیں کہ نبی عربی حضرت محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم سب سے آخری پیغام لائے۔ اور آپ نے اپنی ساری طاقت نسل انسانی کی قوتوں کی بہتری کے لیئے اور بت پرستی کو مٹانے کے لیئے خرچ کی۔ آپ کی تعلیم نہایت سادہ تھی۔ آپ کی فیاضی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ اور آپکا نمونہ نہایت اعلےٰ درجہ کا تھا۔ پھر یہ لیڈی اپنی آخری چٹھی میں لکھتی ہے۔

"میں خیال کرتی ہوں کہ کوئی ملک دُنیا میں اپنی عورتوں کی ایسی عزت اور ادب نہیں کرتا جیسا کہ ہم انگلستان میں کرتے ہیں۔ اور یہ ہمارے لیئے بہت ہی افسوس کا دن ہوگا۔ اگر ہم اس اعلےٰ حالت سے گر جائیں گے۔ آپ کا پیغمبر اپنے لیئے خود قوانین بنا سکتا تھا۔ یعنی جو چاہتا تھا کرتا تھا۔ اور

یہ ماننا پڑتا ہے کہ گو اس بات کے تسلیم کرنے میں تو ہمیں تامل نہیں کہ وہ بہت سے ان لوگوں سے جو اُس کے ارد گرد تھے۔ بڑھ کر تھے۔ مگر اُنھوں نے عصمت کے اصول کی تعلیم نہیں دی۔ اسکے خلاف یہ مجھے صاف نظر آتا ہے۔ کہ وہ اپنی خواہشات کو پوری کرنے والا تھا۔ اور میرا مذہب یہ ہے کہ صرف قربانی ہی سے ثمرہ حاصل ہوتا ہے۔"

اس تمام تحریر میں لکھنے والی نے نہ اسباب کو مدنظر رکھا ہے کہ عرب کو آپ نے کس حالت میں پایا اور نہ اس کو کہ آپ کے روحانی اثر سے کیسا انقلاب عظیم اُن لوگوں کی حالت پر آیا۔ اور اس امر واقعہ کو تو بالکل دبا دیا گیا ہے کہ آپ نے عورت کی حالت میں کس قدر ترقی کی بُنیاد رکھی۔ میں پسند نہیں کرتا کہ یہ کہوں کہ یہ غلط فہمی نہیں بلکہ عمداً ایک غلط فہمی پھیلانے کی کوشش ہے۔ میں یہ کہوں گا۔ کہ اس تحریر کے لکھنے والی ان زنجیروں سے نکلنے کے ناقابل ہیں جن میں اُن کی عقل بہت لمبے عرصہ کی مشنری غلط بیانیوں سے جکڑی گئی ہے۔ میں آئندہ کسی مضمون میں اس خط کے بعض بیانات پر کچھ لکھنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ اور نیز یہ بھی میرا ارادہ ہے کہ گذشتہ جنوری میں جو مضمون اخبار کرسچین میں بعنوان "پرشیا ازم اور اسلام" (یعنی موجودہ جرمن خیالات اور اسلام) نکلا ہے اس پر بھی کچھ بحث کروں۔ یہ مضمون اس وقت بڑی دلچسپی کا موجب ہے کیونکہ اس میں تاریخ اسلام پر صلیبی جنگوں کے حالات پر۔ برلن کی لامذہبی پر۔ جرمن قلب پر اور لوتھر کے پیغاموں پر قابل نوٹ طریق میں ذکر کیا گیا ہے ✤

ہمیں حیرت ہے کہ اس تہذیب کے زمانہ میں ایک عورت ہو کر کس قدر گستاخی سے مقدسین کے سردار پر ناپاک حملے کیے گئے ہیں عصمت کی تعلیم اگر محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے نہیں دی تو کیوں مسلمانوں کے اندر عورت کی عصمت کو اس کا سب سے اعلےٰ جوہر اور سب سے بڑا وصف سمجھا جاتا ہے۔ اور اگر مسیح کی تعلیم میں عصمت پر کوئی خاص زور دیا گیا ہے جس کا پتہ ہمیں کم از کم انجیل سے تو ملتا نہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ آج روئے زمین کی ساری عیسائی قوموں میں عصمت کو عورت کا اعلےٰ سے اعلےٰ جوہر تسلیم نہیں کیا جاتا۔ کچھ مدت کا ذکر ہے کہ ایک عیسائی اخبار نے اپنے قارئین سے یہ سوال کیا تھا۔ کہ عورت کا اعلےٰ سے اعلےٰ جوہر کیا ہے تو عصمت کا جوہر بلحاظ تعداد جواب دینے والوں کے پانچویں یا چھٹے نمبر پر تسلیم کیا گیا تھا۔

پھر کیا مشنری لیڈی صاحبہ کو اپنے گھر کا علم نہیں کہ اکثر عیسائی ممالک میں کس قدر بازاری عورتوں کی وجہ سے بدکاری پھیل رہی ہے۔ حالانکہ اسلامی ممالک میں اس قسم کا پیشہ سُننے میں نہیں آتا۔ ایسا ہی جو کثرت ناجائز تعلقات مرد و عورت کی اور جو کثرت ولد الحرام بچوں کی بعض عیسائی ممالک میں پائی جاتی ہے۔ اس کے سامنے اسلامی ممالک بہت حد تک پاک و صاف ہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس طبیب حاذق کی طرح جو بیماری کو سمجھتا اور اُس کی دوا کو جانتا ہے۔ ہر قسم کی اخلاقی اور روحانی امراض کا علاج کیا اور جو دوائی جس بیماری کے لیئے موزُون تھی وُہ تجویز فرمائی۔ چند فرضی دل خوش کُن فقروں سے لوگوں کو خوش کر کے اصل بیماریوں کی طرف سے غافل کرنا نہیں چاہا۔ یہی وجہ ہے کہ اور کچھ بھی مسلمانوں پر الزام ہو کہ وُہ اپنی عورتوں کو تعلیم نہیں دیتے۔ حالانکہ اسکے لیئے بھی مذہب اسلام ذمہ دار نہیں جس کا صاف حکم ہے کہ طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم و مسلمۃ۔ لیکن تمام اسلامی ممالک میں عورت کی عصمت کی جو عزت ہے۔ وُہ غیر اسلامی ممالک میں نہیں۔ تعدد ازواج کو محض ایک خطرناک بیماری کے علاج کے لیئے بطور دوا اسلام نے جائز رکھا۔ اور وہ وقت دور نہیں جب خود یورپ کو تسلیم کرنا پڑیگا کہ اس علاج کے سوائے سوسائیٹی کی بیماریوں اور ضرورتوں کا اور کوئی علاج نہیں۔ ہاں بے شک آپ نے بلا خوف لومۃ لائم حقیقی علاج کو دُنیا کے سامنے پیش کیا۔ اور خود دونوں حالتوں پر عامل ہو کر بتا دیا کہ ضرورت حقہ کے مقابل کس طرح سارے خیالات کو قربان کرنا پڑتا ہے۔ حقیقی قربانی یہی تھی کہ کم فہموں کے طعن کا فکر نہ کریں۔ بلکہ ایک حقیقی علاج کو دُنیا کے سامنے پیش کر دیں۔ گو اس کے عوض صدیوں تک اپنی ذات پر ناپاک حملے بھی برداشت کرنے پڑیں۔ اس سے بڑھ کر قربانی کیا ہے۔ ہاں اپنی خواہشات کی پیروی کرنے والا وہ انسان ہے جو لوگوں کی زبان کے خوف سے چند دل خوش کُن باتیں کہدیتا ہے اور سوسائیٹی کی اصل امراض اور اُن کے حقیقی علاج کی طرف توجہ نہیں کرتا +

ایڈیٹر

رسالہ اشاعت اسلام

کثیر الازدواجی۔

از ہز ہائی نس حضور عالیہ فرمانروائے بھوپال۔

میرا مضمون زیر بحث (زوجیت فی الاسلام) نامکمل رہجائے گا۔ اگر میں کثیر الازدواجی پر کچھ نہ لکھوں اس مضمون کے متعلق بڑی غلط فہمی پھیلی ہوئی ہے۔ حتیٰ کہ غیر مسلم فضلاء تک بھی اس کی حقیقت سے ناآشنا ہیں۔ یہ خیال کر لینا کہ اسلام میں کثیر الازدواجی ایک ضروری اور لابد چیز ہے۔ ایک قسم کی ناقابل عفو غلطی ہے۔ بلکہ تعلیم قرآن تو اس کے اُلٹ ہے۔ اور ایک ہی بیوی پر قناعت کرنے کے لیئے تاکید کرتی ہے۔ اسلام نے عالمگیر ہونے کا دعوےٰ کیا ہے۔ یہ مذہب کسی خاص قوم یا کسی خاص ملک کی ضروریات کے علاج کے لیئے تو نازل نہیں ہوا تھا۔ بلکہ اپنے ہمہ گیر اور عالمگیر مشن کے لیئے اسلام کا فرض تھا کہ وہ تمام ممالک تمام اقوام ہر قسم کی تہذیبوں اور زمانوں کی ضروریات کو زیر نظر رکھ کر تعلیم دے۔ علاوہ ازیں اسلام نے جو ضابطہ قانون تجویز کیا ہے اُس میں جیسے کہ ہر مہذب اور عقلمند سوسائیٹی کے قوانین میں ہوتا ہے۔ علاوہ قوانین ضروریہ کے کہ جن پر چلنا ہر ایک کے لیئے فرض ہوتا ہے۔ بعض ایسے قوانین بھی ہوتے ہیں جن کا نام قوانین علاجیہ ہو سکتا ہے۔ جو حسب ضرورت وقت و زمان کام میں لائے جا سکتے ہیں یعنی بعض ضروریات کے پیدا ہونے کے وقت اُن قوانین سے تمسک ہو سکتا ہے۔ اور جب وہ ضرورت نہو تو وہ قوانین کسی مصرف کے نہیں ہوتے۔ سو اسلام نے قانون کثیر الازدواجی کو ایک علاجی قانون کے رنگ میں پیش کیا ہے۔ ایک طرف اس کی بد استعمالی کو بُری نگاہ سے دیکھا ہے۔ دوسری طرف اس کے استعمال کو بعض قیود و شرائط سے مقید کر دیا +

دُنیا میں بعض وقت ایسے حالات پیدا ہو جاتے ہیں جن سے فرقہ ذکور کی تعداد میں معتد بہ کمی واقعہ ہو جاتی ہے۔ قومی اور ملکی لڑائیوں سے بھی یہی نتیجہ پیدا ہوتا ہے اور صنف ضعیف کی ان گنت تعداد ایسی رہجاتی ہے کہ جن کا نہ کوئی والی نہ وارث اور نہ کوئی سمبھالنے والا رہجاتا ہے۔ ایسی حالت میں خواہ کوئی ہم تجویز سوچیں۔ خواہ کتنی ہی وسعت قلب سے کام لیں لیکن

بہترین علاج شادی ہی ہے۔ مختلف وقتوں میں مختلف تجاویز سوچی بھی گئی ہیں۔ اُنپر عمل بھی ہؤا ہے۔ لیکن ناگفتہ بہ نتائج پیدا ہوئے ہیں۔ اسلام جس کی ہر ایک تعلیم میں پرہیزگاری اور تقویٰ کا لحاظ کیا گیا ہے پسند ہی نہیں کرتا کہ کوئی عورت کسی ایسے مرد کے گھر میں پناہ لے جو نہ اُس کے نکاح میں ہو نہ ایسے رشتہ میں ہو جس پر محرّمات ابدیہ کا اطلاق ہو سکے۔ اسلام کی اس حکمت پر ہمارا روز کا تجربہ بھی صاد کرتا ہے۔ مذکورہ بالا ضرورت کے دفعیہ کا بہترین علاج کثیر الازدواجی ہی ہے۔ لیکن جس پر بھی اسلام نے عورت پر نہ کوئی مصیبت ڈالی نہ اُس کے اختیار کو محدود کر دیا۔ اگر ایک بی بی اپنے امن و آسائش اور آرام کے لیئے اس بات کی محتاج نہیں کہ وہ کسی مرد سے مدد لے۔ یا کسی ایسی جگہ جا کے پناہ لے جو اُس کے پسند طبع نہ ہو۔ اسلام نے کسی عورت کو مجبور نہیں کیا کہ کسی مرد کی دُوسری بیوی جا کر بنے۔ لہذا رسم کثیر الازدواجی تو اسلام میں ایک قانون علاجیہ ہے۔ جہاں ضرورت ہو اسے اختیار کیا جائے۔ جہاں اُس کی حاجت نہیں وہاں کوئی مجبوری نہیں۔ نہ صرف سوشل اغراض کے لیئے ہی مرد اور عورت کا تعداد میں برابر ہونا لازمات سے ہے۔ بلکہ زندگی میں بعض ایسے مصائب پیدا ہو جاتے ہیں کہ جنکا مقابلہ مرد ہی کر سکتے ہیں۔ مثلاً کسی قوم پر کوئی مصیبت پڑے جس سے اُس قوم کے مرد کثرت سے لقمۂ اجل ہو جائیں تو پھر فرقہ مذکور کی اس کمی کو کس طرح پُورا کیا جائے۔ ایسے نازک وقت میں دو ہی طریق برتے جا سکتے ہیں۔ یا کثیر الازدواجی کو اختیار کر لیا جائے یا ناجائز ولادت کو بے عزّتی کی نگاہ نہ دیکھا جائے۔ جس میں تھوڑی بھی شرافت طبع ہو طریق مؤخّر الذکر کو پسند نہ کرے گا۔

یہ بات بھی ہمیں کبھی سمجھ نہیں آئی۔ کہ مغرب میں جس بات کو قانون کثیر الازدواجی کے ماتحت ناجائز قرار دیا ہے۔ عملاً و کلیۃً ہر طرف جائز رکھا گیا ہے۔ شادی کیا ہے۔ سوسائٹی یا معروف کے ماتحت مقرّرہ شکل میں مرد اور عورت کا جمع ہونا۔ پھر کسی وقت کی ضروریات اور حالات اس بات کے متقاضی ہوں کہ آبادی کی تعداد بڑھ جائے۔ تو کیوں نہ اُسی رواج اور رسم کو قانون کے ساتھ اجازت دیدیجائے۔ جو عملاً اور رواجاً اس وقت بھی ہو رہی ہے۔ اور اس اجازت کا بہتر نتیجہ یہ ہوگا کہ ہزار در ہزار اُن بچّوں پر سے جو اپنی خوشی سے دُنیا میں نہ آئے داغ ولادت ناجائز اُٹھ جائے گا۔ کیوں ایسے بچّوں کو اُس شرعی حیثیت سے روکا جائے کہ جس کے ماتحت

وہ اس انسان کی جائداد کے ہی وارث ٹھیریں۔ جس کا ورثہ اُنھوں نے جسم میں پایا۔ اِس سے نہ صرف سوسائٹی کے اخلاق ہی بہتر ہو جائیں گے۔ بلکہ صنف لطیف کا تقدس بھی بڑھ جائیگا۔ اور اُنکے حقوق بھی محفوظ رہجاویں گے۔ اِس طرح سے کثیر الازدواجی بعض وقت نہ صرف قومی ضرورت ہوجاتی ہے بلکہ رحمت بھی ہے +

بعض وقت کثیر الازدواجی فرداً فرداً بھی بعض گھروں میں اپنی جائے ضرورت پیدا کرلیتی ہے۔ جس گھر میں بچہ نہیں وُہ گھر ایک قبرستان کی طرح سنسان رہتا ہے۔ علاوہ ازیں بقائے نسل انسانی شادی کی ایک بڑی بھاری غرض ہے۔ تو اب اگر پہلی بیوی کے ذریعہ کوئی امید اولاد نہ رہی تو پھر تین ہی راہ ایک مرد کے لیئے کھُلے ہیں۔ یا تو وہ پہلی بیوی کو طلاق دے کر دوسری شادی کرے یا اپنے سر سے ہی صاحب اولاد ہونے کی خواہش نکال دے یا نہایت صبر اور استقامت سے اپنی بیوی کی موت کا منتظر رہے۔ جو ممکن ہے کہ اُس کی موت خود اُس کی ضعیفی سے پہلے واقع ہو جائے۔ کیا ان تینوں حالات پر پہلی عورت کی زندگی میں دُوسری کرلینا قابل ترجیح نہیں۔ اسکے علاوہ بعض انسانوں کو قومی اور سیاسی ضروریات بھی مجبُور کرسکتی ہیں کہ وُہ مذکورہ بالا صورتوں میں سے کوئی صورت اختیار کریں۔ اور اگر کوئی شخص اپنی پہلی بیوی سے ازراہ محبت سخت وابستہ ہے تو پھر اُس کے لئے امور بالا اختیار کرلینے کس قدر مشکل ہیں۔ پنولین کی مثال ایک عمدہ اس امر کی تشریح ہے۔ اُسے اپنی بیوی جوسفین سے ایک قسم کا تعشق تھا۔ وہ بیوی بھی بڑی صاحب عصمت و شرافت تھی۔ میاں بیوی ایک دوسرے کے گرویدہ تھے۔ لیکن جوسفین سے کوئی اولاد نہ ہوسکی اور مُلکی ضروریات چاہتی تھیں کہ پنولین کا بچہ ہو۔ اِس لیئے مُلک نے پنولین کو جوسفین کے طلاق پر مجبُور کیا۔ اس طلاق کا واقعہ نہایت ہی دردناک ہے۔ پنولین نے دوسری بیوی بھی کرلی۔ نہایت شان و شوکت سے وہ سلطنت بھی کرتا رہا۔ لیکن جب مصیبت کے دن آئے تو اُس مصیبت کو بٹانے والی جوسفین اُس کے ہمراہ نہ تھی۔ اگرچہ میاں بیوی میں طلاق ہوچکا تھا لیکن اُس کی محبت میں کبھی کمی واقعہ نہیں ہوئی۔ جوسفین اسی پیار کے ساتھ پنولین کو یاد کرتی رہی اور اُس کے ایام تکلیف میں بھی اس کی ویسی ہی ہمدرد تھی جیسے ایام راحت میں لیکن وُہ مضبوط زنجیر جو اُس کو جوڑ سکتی تھی وہ ٹوٹ چکی تھی۔ اگر فرانس میں قانون کثیر الازدواجی

ہوتا تو نپولین کو کیوں یہ ایام مصائب دیکھنے پڑتے۔ ایسے حالات میں جہاں ضرورت اولاد لاحق ہو مسلمان بیبیاں تو خود اپنے خاوندوں کے لیئے دوسرے نکاح کا انتظام کرا دیا کرتی ہیں۔

اسلام نے کیوں ایک سے زیادہ خاوند کی اجازت نہیں دی

مرد تو دوسری بیوی کر سکتا ہے۔ لیکن عورت کو اسلام نے اجازت نہیں دی کہ دوسرا خاوند کر سکے۔ اوّل تو عورت کے ذمہ وہ صعوبت ناک فرائض بھی نہیں ڈالے گئے مثلاً جنگ وغیرہ کہ جس سے عورتوں کی تعداد کم ہو جاتی اور نہ اُس کی زندگی میں وہ حالات واقعہ ہوتے ہیں مردوں کو دوسری بیویاں کر لینی پڑتی ہیں۔ ہاں اگر ایسی ضرورت بھی ہو تو پھر عورت خاوند سے فسخ نکاح کرا سکتی ہے۔ اُس کو شریعت میں خلع کہتے ہیں۔ لیکن شریعت نے یہ نہیں اجازت دی کہ کسی عورت کے ایک سے زیادہ خاوند ہوں۔ اور فطرت انسانی بھی اس بات کو قبول نہیں کرتی۔ علاوہ ازیں شادی کی غرض بڑی بھاری یہ ہے کہ بچہ کی ولدیت کا تحقق ہو سکے۔ تاکہ بچہ کی پرورش اور اُس کی تربیت کی ذمہ داری کسی پر ڈالی جا سکے۔ ایک مرد کی اگر زیادہ عورتیں ہوں تو تحقیق ولدیت میں کوئی مشکل نہیں پڑتی۔ اور اس طرح سے ایک مرد کے ورثہ کا بھی سوال آسانی سے طے ہو سکتا ہے۔ لیکن خدانخواستہ اگر کوئی قانون اجازت دیوے کہ ایک عورت بہت سے خاوند کر سکے تو نہ صرف سوسائٹی میں ہی بداخلاقی کا ایک طریق جاری ہو جائے گا بلکہ تعلیم و تربیت اور پرورش اور ورثہ کے معاملہ میں ہزارہا قسم کے فساد و مجادلہ ہونگے کہ کون کس کا بچہ ہے۔ اور کس بچہ کا کون ذمہ دار ہے +

ہر حالت میں کثیر الازدواجی جائز نہیں

جو لوگ بلا ضرورت شرعیہ ایک سے زیادہ بیوی کر بیٹھتے ہیں اور شرعی حدود کو توڑ دیتے ہیں وہ پبلک میں نفرت اور حقارت کے مستحق ہیں۔ ہر ایک حالت میں تو اسلام کثیر الازدواجی کو جائز نہیں رکھتا۔ اسلام نے تو اس پر ایسی جکڑ بند شرائط اور قیود لگا دی ہیں کہ جس سے کثیر الازدواجی عملاً رک جائے۔ اور زیادہ حصہ اسلامی دنیا کا ایک ہی بیوی کرے۔ چنانچہ یہی حالت مسلمانوں میں ہے۔ کثیر الازدواجی کی بہترین روک دراصل قرآن کی اُسی آیتہ میں ہے جو آیتہ ان شادیوں

کی اجازت دیتی ہے۔ فانکحوا ماطاب لکم من النساء مثنیٰ وثلث و ربٰع فان خفتم الا تعدلوا فواحدۃ۔ تم دو دو۔ تین تین۔ چار چار بیویاں کر سکتے ہو لیکن اگر تمھیں خوف ہو کہ تم اُن میں برابری کا سلوک نہ کر سکو گے تو ایک ہی کرو۔ اب اس آیۃ میں کثیر الازدواجی پر عدل کی شرط لگادی ہے۔ جو بیویوں میں ہر قسم کے سلوک میں برابری کی رعایت ہی نہیں رکھ سکتا اُس کو حکم ہے کہ ایک ہی بیوی کرے +

آیۃ مذکورہ بالا میں لفظ خوف خصوصًا قابل توجہ ہے۔ یعنے اگر کوئی شخص شرائط مذکورہ کی تعمیل سے خوف میں ہے تو پھر ایک ہی بیوی کرے۔ اور یہ امر بدیہی ہے اگرچہ ناممکن تو نہیں۔ لیکن دو بیویوں میں عدل کر لینا نہایت ہی دشوار امر ہے۔ بہت ہی تھوڑے ایسا کر سکتے ہیں بلکہ قرآن تو کھُلا کھُلا اشارہ کرتا ہے۔ کہ کثیر الازدواجی کی اس شرط کو پورا کرنے کے انسان ناقابل ہے۔ اس طرح قرآن نے در اصل زور دیا ہے کہ شادی ایک ہی ہونی چاہیئے۔ وہ آیۃ یہ ہے ولن تستطیعوا ان تعدلوا بین النساء ولو حرصتم فلا تمیلوا کل المیل فتذروھا کالمعلقۃ وان تصلحوا وتتقوا فان اللہ کان غفورا رحیما

آیات مذکورہ بالا سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ جہاں مرد ایک سے زیادہ بیوی کرے اور محبت میں ایک کی طرف جُھک جائے اور دوسری سے بے اعتنائی کرے۔ حتیٰ کہ ایک کو طلاق دینے پر آمادہ ہو جائے۔ تو پھر مرد اور عورت کے لیئے مندرجہ بالا آیات ایک عمدہ ہدایت نامہ ہے طلاق کے ذریعہ زندگی تلخ کرنے کی بجائے اُس کے لیئے بہتر ہے کہ وہ آپس میں ایک من سمجھوتہ کرے۔ بلکہ شادی کرنے سے پہلے بھی ایسی فہمید ہو سکتی ہے +

ایک عورت کثیر الازدواجی کے مضرات سے کسطرح بچ سکتی ہے

کثیر الازدواجی میں تلخیاں اور بدمزگیاں بھی پیدا ہو جاتی ہیں۔ جن سے بچنے کا بہترین علاج اسلام نے عورت کے ہاتھ میں رکھا ہے۔ چونکہ اسلام میں نکاح ایک قسم کا شرعی معاہدہ ہے۔ جس کے ماتحت بعض ایسی شرائط لگائی جا سکتی ہیں۔ کہ اُن شرائط کے فوت ہونے پر شادی کالعدم ہو جائے۔ مثلاً اگر کسی عورت کو خطرہ ہو۔ کہ اُسکا خاوند کبھی آئندہ دوسرا نکاح کر کے اُس کی تکلیف کا مُوجب ہوگا۔ تو شادی کے وقت اُس تکلیف سے بچنے کا علاج کر سکتی ہے۔ مثلاً وہ معاہدہ نکاح میں یہ شرط لگا سکتی ہے۔ کہ اگر

اس کا خاوند دُوسرا نکاح کرے تو وہ ایک کافی ہرجانہ دینے کا ذمہ وار ہوگا۔ یا اُس کو حق ہوگا۔ کہ وہ کافی گذارہ خاوند سے لے اور خاوند کے ساتھ نہ رہے۔ یا وُہ جب چاہے دُوسری شادی پر خاوند سے طلاق لے لے۔ اور ہرجانہ بھی لے اور ایک آزاد زندگی بسر کرے۔ ایک بیوی اختیار رکھتی ہے۔ کہ کسی کے نکاح میں آنے سے پہلے یہ شرائط لگا دے +

الغرض کثیر الازدواجی بعض مجلسی یا قومی دقتوں کا ایک عِلاج ہے۔ اسکا ایک جائز استعمال ہے اور بد استعمالی بھی ہو سکتی ہے۔ اسلام نے اس کی بد استعمالیوں کو روک دیا ہے۔ اور جہاں اجازت دی ہے۔ وہاں مختلف شرائط اور قیود لگادی ہیں جُوں جُوں فطرت انسانی اور ضروریات سوسائٹی کا عِلم اور احساس لوگوں میں بڑھتا جائے گا۔ کثیر الازدواجی جیسے قانون کی ضرورت کا بھی احساس بڑھتا جائے گا ہاں انھیں حالات اور شرائط کے ماتحت جو اسلام نے تجویز کیئے ہیں +

اِسلامی نماز کا فلسفہ

۴

پیش ازیں کہ میں نماز کے فلسفہ پر حیثیت مجموعی کچھ روشنی ڈالوں اور نماز کی جوازیت اور ضرورت پر کچھ لکھوں۔ میں اسلامی دعا صلوٰۃ کی ایک اور ہیئت پر بحث کرنا چاہتا ہوں۔ کل دُنیا کے مُسلمان خواہ وہ کہیں رہے۔ ٹرکی ہیں یا چین میں۔ یورپ میں ایشیا میں نئی دُنیا میں یا پُرانی دُنیا میں وہ سب کے سب اپنی نماز عربی میں پڑھتے ہیں۔ جیسا کہ یہودی عبرانی زبان میں۔ یہ نماز صرف عربی زبان میں ہی ہوتی ہے بلکہ خاص قرآن کے الفاظ میں جو خدا کا آخری عہد نامہ ہے ایک عالمگیر بشارت ہے ادا کیجاتی ہے نماز کی ہیئت وصورت آج بھی وہی ہے۔ جو آنحضرت صلعم نے اپنے وقت میں قائم کی اور وہی لفظ جو خدا کے نبی کے مُونھ سے نماز میں نکلے۔ وہی آج ہر ایک مسلمان نماز میں ادا کرتا ہے۔ اِس طرح تمام

دُنیا میں ایک ہی طرز ایک ہی نہج رکھنے سے اس خیال کے قائم رکھنے میں مدد ملتی ہے کہ ایک ہی خدا سب کا مالک ہے اور ایک ہی عالمگیر اخوت کل انسانوں میں ہے۔ خواہ مشرق میں ہو یا مغرب میں۔ جنوب میں ہو یا شمال میں۔ خواہ ہماری مادری زبان ملائم شیریں اردو ہو یا سخت ناملائم انگریزی۔ ہماری عبادت اور نماز کا وہی ایک خدا مُدعا اور مقصد ہے۔ چینیوں کی زبان میں اللہ کا کوئی اور نام ہوگا۔ ہندوستانیوں کا کوئی اپنے ہاں نام ہوگا ایسا ہی امریکہ والوں کا اپنا۔ گویا کہ مختلف زبانوں میں مختلف نام ہیں۔ بلکہ مختلف نکتہ خیال انگریزی لفظ گاڈ۔ اور فارسی لفظ خدا ایک ہی مفہوم کو ادا نہیں کرتے۔ اور اسی طرح وُہ خدا کے متعلق مختلف خیالات ذہن میں لے آتے ہیں۔ ایک فارسی دان کا معبود اگر خدا ہے اور انگریز کا گاڈ۔ فرانسیس کا ڈیو۔ اور جرمن کا کاٹ۔ اور اسی طرح مختلف زبانوں میں مختلف نام۔ چونکہ ان لفظوں کے مفہوم میں کچھ نہ کچھ فرق ہے۔ اِس لیئے مختلف قوموں کی سامنے نماز کے وقت مختلف کیفیات کا حذا ہوگا۔ اسلام نے نماز میں ایک رنگی رکھ کر ان اختلافات کی گنجائش ہی نہیں رکھی۔ ایرانی مسلم۔ انگریز مسلم۔ فرانسیسی مسلم۔ جرمن مسلم۔ ان سب کا معبود ایک اللہ ہے اُسی کے آگے وُہ اپنی دُعائیں پیش کرتا ہے۔ اِسطرح سے نماز میں تمام اور زبان کا یہ اتحاد نمازی کے دل میں یہ کیفیت پیدا کرتا ہے کہ کل نسل انسانی کا معبود وہی ایک ہے۔ جس کے آگے ہم سب نے جھکنا ہے وہی ایک رب العالمین ہے وہی سب قوموں اور انسانوں کا بنانے والا ہے۔ اس طرح خدا کی مالکیت اور اُس کی توحید کا اثر پیدا ہو جاتا ہے +

اِس سے تمام انسانوں کے دِلوں پر انسانی اخوت کا بھی سکہ جم جاتا ہے۔ خواہ وہ مختلف رنگ و زبان و شکل کے ہوں۔ خواہ وہ مختلف قوم و اقوام سے تعلق رکھتے ہوں۔ خدا کے متعلق ان کے خیالات اُن کے جذبات ان کے متاثرات ایک ہی ہیں۔ لہذا جب وہ اُس خدا کے حضور نماز کے لیئے حاضر ہوں۔ تو ایک ہی زبان میں ایک ہی طرز سے نماز ادا کرے خواہ انسان ایک دُوسرے سے جنگ بھی کرے۔ پھر بھی وہ خدا کی نگاہ میں دائرہ انسانیت میں ایک ہی ہیں۔ ممکن ہے ایک قوم دوسری قوم سے نفرت کرے۔ ایک دوسرے کی زبان کو

بُرا جانیں لیکن پھر بھی وہ اللہ کے حضور حاضر ہوں تو وہ ایک ہی زبان سے پکاریں جس سے وہ سمجھ جائیں کہ وہ فی الواقعہ ایک دُوسرے کے بھائی ہیں اور ان کی دشمنی چند روزہ ہے۔ ایک مشترک زبان کا ہونا بھی مختلف قوموں میں ایک مستقل وحدت پیدا کر سکتا ہے۔

جب کسی ملک کا ایک غیر مسلم کسی اور ملک میں چلا جاتا ہے۔ تو اُسے نماز کی ادائیگی کے لیئے گرجا یا معبد کی ضرورت پڑتی ہے جہاں نماز اُس کی اپنی مادری زبان میں ادا ہوتی ہو۔ لیکن مسلمان کو یہ دقت نہیں ہے خواہ کسی اجنبی مُلک میں چلا جائے۔ وہ نزدیک کی مسجد تلاش کر لیتا۔ اور وہاں اپنے آپ کو اپنے وطن میں پاتا ہے۔ کل دُنیا جہان کی مسجدوں میں وہی ایک زبان یعنے زبان قرآن استعمال ہوتی ہے۔ کل مُسلمانوں میں ملنے کے وقت وہی سلام علیک کا ایک نشان فری میسنوں کے نشان کیطرح قائم ہے۔ بکسر کی بغاوت پر جب ہندوستان سے مسلمان سپاہی چین میں گئے۔ اور چینی مسلمانوں سے سلام علیک کی تو چین کے مسلمانوں نے اُن سے برادرانہ سلوک کیا۔ اور اپنی مسجدوں میں لے گئے ابھی اگلے دن ہندوستان کے مسلم سپاہی جب ووکنگ میں عید کی نماز ادا کرنے آئے تو اگرچہ ایک بھی لفظ انگریزی کا نہ جانتے تھے اور نہ ہی ووکنگ کے مسلمان اردو جانتے تھے لیکن وہ صرف سلام اور نماز کے اشتراک سے ایک دُوسرے کے بھائی بن گئے۔

تمام قوموں اور ہر ایک رواج کے انسانوں میں نماز کے وقت ایک ہی زبان کا استعمال ہونے سے ایک قسم کی وحدت مراتب بھی پیدا ہوتی ہے۔ جب سلطان ایک طرف اور ہندوستان کا دہقان ایک طرف اور ایسا ہی انگلستان کا ایک تاجور قادر مطلق کے حضور اپنی نماز میں ایک ہی الفاظ اور ایک ہی زبان میں حاضر ہوتا ہے تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ خدا کی نگاہ میں ایک ہی حیثیت رکھتے ہیں۔

مقررہ نمازوں میں قرآن کے الفاظ کا استعمال انسانوں کو اس بات سے بھی محفوظ رکھتا ہے کہ وہ نماز میں بُرے خیالات لیئے ہوئے کھڑے ہوں۔ یا وہ ایک دوسرے کے خلاف بددُعائیں کریں۔ ہم ہر ایک لفظ اور ہر ایک فعل کے لیئے خدا کے حضور ذمہ دار ہیں۔ پہلے جب ہم قرآنی الفاظ میں نماز ادا کرتے ہیں تو ہمیں یہ اطمینان ہوتا ہے کہ ہم نامناسب الفاظ نہیں استعمال کر رہے ہیں۔ رابعہ بصری ایک بڑی مسلم خاتون گذری ہیں۔ انکے متعلق مشہور ہے کہ وہ بتیس سال تک قرآن کے الفاظ میں گفتگو

کرتی رہی حتیٰ کہ معمولی سوالوں کا جواب بھی قرآنی الفاظ میں دیا کرتی تھیں +
مذہبی نکتہ خیال سے بھی قرآنی دعاؤں سے بہتر دعائیں تلاش کرنا ناممکن ہے۔ مثلاً اس سے بہتر اور کیا دعا ہوسکتی ہے۔ ربنا اتنا فی الدنیا حسنة وّ فی الاخرة حسنة۔ اے ہمارے رب ہمکو اس جہاں میں بھی خیر عطا کر اور آئیندہ جہان میں بھی جب ہمیں قادر مطلق غفور الرحیم خدا سے کچھ عرض کرنا ہو تو اس سے بہتر الفاظ نہیں ملتے۔ ربنا ولاتحملنا مالاطاقة لنابه۔ اے رب ہمارے ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جس کے برداشت کرنے کی ہم میں طاقت نہیں +
کم از کم میں اس امر پر مطمئن ہو جاؤں۔ اگر اللہ تعالےٰ میری یہ دعا سُن لے۔ دراصل وہی چیز تکلیف دِہ ہے خواہ وہ اچھی ہو یا بُری۔ جو قابل برداشت نہ ہو۔ بیسیوں باتیں اس دُنیا میں ہمارے قابو سے باہر ہیں۔ ہم خواہ کتنے ہی صاحب طاقت ہوں پھر بھی بہت کمزور ہیں۔ ہم بے یار و مددگار ہیں اپنے معاملات پر قابو چھوڑ۔ اپنی ذات پر بھی بعض وقت حکومت نہیں کرسکتے۔ کیا ہم اپنے ارادہ کے مطابق اپنے دل پر حکومت کرسکتے ہیں۔ ہرگز نہیں۔ ہم تو اپنے بھی مالک نہیں۔ بعض وقت محض کسی قدر محبت یا نفرت سے اپنے ارادہ کے خلاف ہم سے ایسی باتیں سرزد ہو جاتی ہیں۔ جنکو ہم یقیناً نقصان دہ سمجھتے ہیں۔ بعض وقت حالات بھی ایسے پیدا ہو جاتے ہیں جن کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ لہٰذا ہمیں ہمیشہ قادر مطلق خدا کے آگے یہی عرض کرنی چاہیئے۔ ولاتحملنا مالاطاقة لنابه ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جس کی ہم کو طاقت نہیں +
قرآن کی وہ آیات جو میں اکثر اپنی نمازوں میں تلاوت کرتا ہوں اور جو میری تسکین کا موجب ہوتی ہیں یہ ہیں للّٰہ ما فی السمٰوات وما فی الارض۔ وان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ یحاسبکم به اللّٰہ فیغفر لمن یشاء ویعذب من یشاء واللّٰہ علیٰ کل شیٔ قدیر ہ ۔ امن الرسول بما انزل الیه من ربه والمومنون کل امن باللّٰہ وملٰئکته وکتبه ورسله لانفرق بین احد من رسله ۔ وقالوا سمعنا واطعنا غفرانك ربنا والیك المصیرہ لا یکلف اللّٰہ نفسا الا وسعها لها ما کسبت وعلیها ما اکتسبت ربنا لا تواخذنا ان نسینا او اخطانا ۔ ربنا ولا تحمل علینا اصرا کما حملته علی الذین من قبلنا ۔ ربنا ولا تحملنا مالاطاقة لنا به ۔ واعف عنا واغفر لنا ۔ وارحمنا ۔ انت مولٰنا ۔ فانصرنا

علی القوم الکافرین ۵ - ایمان لایا پیغمبر ساتھ اُس چیز کے کہ اُتاری گئی ہے طرف اُس کے پروردگار اُس کے سے۔ اور مسلمان تمام ایمان لائے ساتھ اللہ کے اور فرشتوں اس کے کے اور کتابوں اس کی کے اور رسولوں اُسکے کے۔ نہیں جدائی ڈالتے ہم درمیان کسی کے پیغمبروں اُسکے سے۔ اور کہا اُنھوں نے سُنا ہمنے اور مانا ہم نے بخشش مانگتے ہیں تیری اے رب ہمارے اور طرف تیرے ہی پھر آنا۔ نہیں تکلیف دیتا اللہ کسی جی کو۔ مگر طاقت اُس کی پر واسطے اس کے ہے جو کچھ کمایا اُس نے اور اوپر اس کے ہے جو کچھ کمایا اُس نے۔ اے رب ہمارے مت پکڑ ہم کو اگر بھول گئے ہم۔ یا خطا کی ہم نے اے رب ہمارے۔ اور مت رکھ اُوپر ہمارے بوجھ۔ جیسا رکھا تو نے اُس کو اوپر اُن لوگوں کے کہ پہلے ہم سے تھے اے رب ہمارے۔ اور مت اُٹھوا ہم سے وہ چیز کہ نہیں طاقت واسطے ہمارے ساتھ اُس کے اور عفو کر ہم سے اور بخش ہم کو اور رحم کر ہم پر تو ہی ہے دوستدار ہمارا پس مدد دے ہمکو اوپر قوم کافروں کے +

یہ تو ممکن ہی نہیں کہ ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ کرتے ہوئے اصلی الفاظ کی کیفیات و معانی ادا ہو سکے۔ ترجموں نے ہی انجیل اور توریت کو محرف اور مبدل کیا۔ چونکہ مسلمان خواہ کسی اصلی الفاظ سے ہی تشدید طریق پر وابستہ رہے۔ اِس لیئے خدا کا آخری کلام محفوظ رہا دُنیا میں یہی ایک کتاب ہے جو کثرت سے پڑھی جاتی ہے وُہ یہی ایک کتاب ہے جس کا ایک ایک لفظ تیرہ سو برس سے اپنے اصلی صورت میں رہا۔ جب مسلمان نماز کو قرآن کے الفاظ میں ادا کرتے ہیں تو وہ اسطرح قرآن کریم کو محفوظ اور اُسکی تحریف سے بچنے میں مدد دیتے ہیں۔

جیسے کہ میں نے پہلے کہا اب بھی کہتا ہوں کہ اسلام نے کوئی ایسا شعار یا شکل کسی امر کی اختیار نہیں کی جو اُس موقعہ کے لحاظ سے حسب ضروری ہو۔ اور جس کو چھوڑ کر دوسری شکل اختیار ہی نہیں ہو سکتی۔ یہی میں نماز کو عربی زبان میں ادا کرنے کے متعلق کہتا ہوں۔ اسلامی نماز میں ایک روحانیت شروع سے اخیر تک مضمر ہے +

(القدوائی)

پیغمبر صلعم اور عیسائی

حضرت محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کس وسعت قلبی کی بنیاد رکھی ہے جب اُنھوں نے اپنے متبعین کو یہ تعلیم دی کہ وہ کل دُنیا جہان کے پیغمبروں پر ایمان لائیں۔ سورہ بقرۃ کی تیسری آیت میں متقیوں کی شان میں یہ کہا گیا ہے۔ والذین یؤمنون بما انزل الیك وما انزل من قبلك یعنی متقی وہ ہے جو اس کتاب پر جو تجھ پر نازل ہوئی اور ایسی ہی کتابیں جو تجھ سے پیشتر نازل ہوئیں اُن سب پر ایمان لاتے ہیں۔ اس اصول کی تشریح اسی سورۃ آیۃ (۱۳۶) میں حسب ذیل ہے۔ قل اٰمنا باللہ وما انزل الینا وما انزل الی ابراھیم واسمٰعیل واسحٰق ویعقوب والاسباط وما اوتی موسیٰ وعیسیٰ وما اوتی النبیون من ربھم لا نفرق بین احد منھم۔ ہم خدا پر ایمان لاتے ہیں اور اُس پر جو ہم پر نازل ہوا۔ اور اُس پر بھی جو ابراہیم۔ اسماعیل۔ یعقوب اور اس کی اولاد پر نازل ہوا۔ ہم اُس پر بھی ایمان لاتے ہیں۔ جو موسےٰ اور عیسےٰ اور رب کی طرف سے کل انبیاء کو دیا گیا۔ ہم ان انبیاء میں کوئی تفریق نہیں کرتے۔ ایسی ہی قرآن کریم میں اور آیات ہیں۔ جہاں ان انبیاء علیہم السلام کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور خصوصاً جناب موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کی نبوتوں پر خاص طور سے زور دیا گیا ہے۔ اس سے بڑی غرض یہ تھی کہ عیسائی اور یہودی سمجھ لیں کہ آنحضرت صلعم کی غرض ایک اخوۃ عامہ اور عالمگیر مذہب قائم کرنے کی ہے۔ اسی تعلیم کے ماتحت آنحضرت صلعم نے جناب مسیح کی ہمیشہ عزت کی اور اُن تمام الزامات سے جناب مسیح کی تطہیر کی جو یہودی ان پر لگایا کرتے تھے۔ آپ کی ولادت کے متعلق آنحضرت صلعم نے یہودیوں کی تکذیب کی اور ظاہر کیا کہ وہ دیگر انبیاء کی طرح پاک تھے۔ آپ نے فرمایا جناب مسیح کی والدہ مریم ایک راستباز مقدس صدیقہ تھیں۔ اور مسیح در اصل ایک پیشگوئی کے پورا کرنے کے لیے آئے تھے۔ جیسے کہ خود آنحضرت صلعم تھے۔ اور جنھوں نے جناب مسیح کو تکلیف دی یا الزام لگائے وہ سب گنہگار تھے۔ دُنیاوی نگاہ سے اور حکمت اور پالسی کے اصول پر تو آنحضرت صلعم کا اس طرح یہودیوں کو الزام دینا ٹھیک نہ تھا۔ عیسائیوں کی عرب

میں اُس وقت حقیقت ہی کیا تھی۔ مُٹھی بھر آدمی تھے۔ کوئی طاقت یا اقتدار بھی نہ رکھتے تھے اور اُن کو نظر انداز کر دینا کوئی آسان امر تھا۔ بالمقابل یہودی ایک بڑی مضبوط اور طاقتور قوم تھی۔ بڑا رسوخ اور اقتدار بھی رکھتے تھے۔ یہودیوں کی رعایت یا خاطر داری کرنے سے بالضرور آنحضرت صلعم کی حمایت بھی ہو سکتی تھی۔ لیکن آنحضرت صلعم اصول کے پابند تھے۔ اور پالیسی کو حرام سمجھتے تھے۔ جو کچھ آپ سچ سمجھتے تھے اور جہاں تک آپ کے امکان میں تھا۔ آپ نے جناب مسیح کی عزت قائم کرنے میں کوئی دقیقہ نہ چھوڑا۔ آج چالیس کروڑ سے اوپر مسلمان دُنیا کے مختلف حصص میں جناب مسیح کی اسی طرح عزت کرتے ہیں جیسے آنحضرت صلعم نے کی۔ اور جو کوئی جناب مسیح پر الزام دے اُس سے ویسا ہی مقابلہ کرتے ہیں۔ جب کبھی وہ مسیح کا نام لیتے ہیں اُس کو صلوٰۃ اور سلام بھیجتے ہیں۔ کیا آنحضرت صلعم نے اس طرح عیسائی دُنیا کو اپنا مرھون احسان نہیں کیا۔ کیا اس سے وہ اعلےٰ شرافت نفس جو اُن میں تھی ظاہر نہیں ہوتی۔ دراصل اسی سے اُس اعلےٰ مقصد کا بھی پتہ چلتا ہے جس سے آپ مسلمانوں اور عیسائیوں میں عمدہ رشتہ پیدا کرنا چاہتے تھے +

آنحضرت صلعم کا عیسائیوں سے سلوک

آنحضرت صلعم کا جیسا سلوک اور آپکے مراعات جیسے مسلمانوں سے تھے ویسے ہی عیسائی اور یہودیوں سے تھے۔ یہ ہمیشہ ذہن نشین رکھنا چاہیئے کہ آنحضرت صلعم نہ صرف نبی ہی تھے بلکہ بادشاہ بھی تھے اور اس وقت عرب میں عیسائی اور یہودی دونوں بستے تھے جو آپ کی رعایا تھے۔ دونوں ہی آپ کے مخالف تھے۔ اور آپ کے دعوے نبوت سے منکر بھی تھے۔ لیکن آپ کا سلوک اور برتاؤ دونوں سے فیاضانہ تھا۔ ایک لڑائی میں ایک عیسائی عورت آپ کے سامنے اسیر ہو کر آئی۔ وہ مشہور سخی حاتم طائی کی لڑکی تھی اُس کے ساتھ قید کی حالت میں اور بہت سی ہم جولیاں تھیں وہ طبعاً اُس وقت نہایت مغموم اور سراسیمہ تھی وہ نہ جانتی تھی کہ اس سے کیا پیش آنے والا ہے آنحضرت صلعم نے جب اُس سے واقفیت پائی تو آپ نے اُس کے باپ کی یا سخاوت سے اپنی چادر کو بچھا دیا اور آپ اُس سے یوں متکلم ہوئے۔ تمہارا باپ ایک کریم النفس آدمی تھا۔ اس لیئے اُسکی عزت میں میں تمہاری عزت کرتا ہوں۔ اور میں تمھیں آزاد کرتا ہوں۔ مسلم خوبیاں کوئی مسلمانوں تک محدود نہیں۔ بلکہ اور مذہب والوں میں بھی ہوتی ہیں۔ یہ عورت آخر ایک بامروت انسان

کی لڑکی تھی۔ اُس بی بی نے آزاد ہونے سے انکار کیا۔ در آں حالیکہ وہ .... اس کی اور رفیقہ قید میں رہیں۔ آنحضرت نے اس بات کو سمجھ لیا اور فرمایا۔ کہ اگر تم اس لیئے قید سے رہا ہونا نہیں چاہتی کہ تیری دیگر رفیقے بھی قید میں ہیں تو میں نہیں پسند کرتا کہ تو اُن کی خاطر اسیری میں رہے۔ اسلیئے میں تیری خاطر اُن سب کو آزاد کرتا ہوں۔ وہ سب کی سب قیدی تھیں۔ آنحضرت صلعم بطور ایک فاتح کے اُن سے ایسا سلوک بھی کر سکتے تھے۔ لیکن آپ نے نہ تو اُن عیسائی عورتوں سے قیدیوں کا سا سلوک کیا اور نہ اُن کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا۔ حق الامر یہ ہے کہ آنحضرت صلعم نے مسلمان کرنے میں کبھی بھی جبر اور اکراہ سے کام نہیں لیا۔ رہا صنف لطیف سے مراعات کرنا حسن سلوک سے پیش آنا۔ سو ہر ایک مُسلمان کو تاکید کی گئی ہے کہ وہ عورتوں سے نیک سلوک کرے اور اُن کی عزت کرے۔ اس طرح آنحضرت صلعم نے حاتم کی لڑکی اور اس کے ساتھی کل عورتوں کو آزاد کر دیا۔ اسکا نیک اثر اس پر ہوا۔ اور آنحضرت صلعم نے یہ بھی کیا کہ اُس کو معہ دوسری عورتوں کے نہایت حفاظت کے ساتھ گھر تک پہنچا دیا ٭

ایک اور موقعہ پر ایک عیسائی وفد نجران سے آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اُنکی کامل عزت اور تکریم میں اپنی مسجد کے جوار میں ہی جگہ دی۔ اتفاقاً وہ اتوار کا دن تھا۔ اور یہ عیسائی رومن کیتھولک عیسائی تھے اُن کی عبادت کا دن تھا۔ اور وہ بڑے متوحش تھے کہ کس جگہ عبادت کریں۔ آنحضرت صلعم نے اُن کی گھبراہٹ کا سبب پوچھا۔ انھوں نے عرض کی کہ یہ اُن کی عبادت کا دن تھا۔ اور وہ کسی ایسی جگہ کی تلاش میں ہیں جہاں وہ اپنی رسم و رواج کے مطابق عبادت کر سکیں۔ آپ نے فی الفور فرمایا کہ اسی مسجد میں تم اپنا گرجا کر لو۔ کیونکہ یہ میرا گھر نہیں۔ خدا کا گھر ہے ٭

آنحضرت صلعم کے متعلق آپ کے جانی دشمن کی شہادت

ایک دفعہ بادشاہ شام کے دربار میں آپ کا ایک خطرناک دشمن ابوسفیان موجود تھا۔ وہی ابوسفیان تھے جس نے آپ کے اور آپ کے صحابہ کے شکست و نابود کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا تھا۔ ہرقل بادشاہ شام نے آنحضرت صلعم اور اسلام کے متعلق چند سوال کئے۔ اور ہم ذیل میں اُن سوال و جواب کو اسی ترتیب سے لکھ دیتے ہیں!۔

س۔ محمدؐ کے آباؤ اجداد کیسے تھے +

ج۔ وہ ایک شریف خاندان سے ہے۔ اُس کے باپ اور ماں اعلےٰ اخلاق اور حیثیت رکھتے تھے

س۔ کیا اس کے آباؤ اجداد میں سے کسی نے دعوےٰ نبوّت کیا +

ج۔ میں اُنہی کی قوم میں سے ہوں۔ اور مجھے علم ہے کہ اُس سے پہلے اُس کے کسی بزرگ نے دعوےٰ نبوّت نہیں کیا +

س۔ کیا اس کے آباؤ اجداد میں سے کوئی صاحب ملک ہو چکا ہے جسکی سلطنت کھوئی گئی ہے

ج۔ نہیں +

س۔ کیا دولتمند یا درمیانی درجہ کے لوگ ہی عموماً اُس کے مرید ہوتے ہیں +

ج۔ عموماً دولتمندوں سے زیادہ درمیانی درجہ کے لوگ اُس کی پیروی اختیار کرتے ہیں۔

س۔ کیا دن بدن مُسلمانوں کی تعداد بڑھ رہی ہے یا گھٹ رہی ہے +

ج۔ دن بدن بڑھتے جاتے ہیں +

س۔ کیا جو اِسلام قبول کر لیتے ہیں۔ وہ اسلام کو چھوڑ بھی دیتے ہیں؟

ج۔ نہیں جس نے محمد صلعم کے مذہب کو قبول کیا اُس کو کبھی نہیں چھوڑا +

س۔ کیا اس دعوےٰ کرنے سے پیشتر کبھی اُس نے جھوٹ بولا +

ج۔ اس وقت تک کبھی اُس نے اپنے وعدوں کو نہیں توڑا۔ ہاں آئندہ کے متعلق میں کچھ نہیں کہہ سکتا +

س۔ کیا تمہارے جنگ بھی اُن سے ہوئے۔ اور جنگوں میں سے کون کامیاب ہُوا کرتا ہے۔

ج۔ بعض وقت وُہ فتحمند ہوتے ہیں۔ اور بعض وقت ہم کامیاب ہوتے ہیں +

س۔ اُس کی تعلیم کیا ہے +

ج۔ ایک خدائے واحد کی عبادت اور تمام بُتوں سے انکار۔ اور کسی اور معبود کو خدا کے مقابل کھڑا نہ کرنا۔ اور نہ بُت پرستوں کی اتباع کرنا۔ وہ ایک خدا کی عبادت اور پرستش کی تاکید کرتا ہے۔ سچ بولنے کے لیئے حکم دیتا ہے۔ بُرے کاموں سے بچنا اور صِلہ رحمی کی تاکید کرتا ہے +

اس پر بادشاہ نے کہا کہ جو کچھ تم نے محمد صلعم کا نقشہ بتلایا ہے اُس سے مجھے یقین ہوگیا ہے۔ کہ وُہ ایک سچّا نبی ہے۔ اور ایک صادق نبی کی ساری علامات آپ میں موجود ہیں ایک اور موقعہ پر جب مکّہ والے آنحضرت صلعم اور آپ کے صحابہؓ پر سخت ظلم اور تشدّد کرتے تھے تو چند مُسلمانوں نے شاہ حبش کے ہاں پناہ لی۔ ایک دن بادشاہ کے استفسار پر حضرت جعفر نے جو اُن مسلمانوں میں کے سرکردہ تھے۔ ایک تقریر کی جو ہم ذیل میں بالفاظ درج کرتے ہیں:۔

"اے بادشاہ ہم ایّام جاہلیت سے تعلق رکھتے تھے۔ بتوں کی پرستش کرتے تھے مردار کا گوشت کھاتے تھے شہوت رانیاں کرتے تھے۔ قطع رحمی ہمارا سلوک تھا۔ اپنے ہمسائیوں کو اذیت پہنچاتے تھے اور ہم میں کا جو صاحب طاقت ہوتا وہ ہمیشہ کمزوروں کو ستاتا تھا حتیٰ کہ اللہ تعالےٰ نے ہم میں ایک نبی پیدا کیا۔ ہم اُس کے آباؤ اجداد سے واقف ہیں۔ اور ہم ہمیشہ سے اُس کی صداقت اور عفّت کے قایل ہیں۔ اُس نے ہمیں ایک خدائے واحد کی طرف بلایا اور ہمیں حکم دیا کہ اُس کے ساتھ شرک نہ کریں اور اپنے بتوں کو چھوڑ دیں۔ اُس نے ہمیں تاکید کی ہے۔ کہ ہم سچ بولیں۔ ہم سے کسی کا حق ہو وہ ادا کریں۔ صلہ رحمی نہ کریں۔ اور اپنے ہمسائیوں کے ساتھ نیک سلوک کریں۔ اور جو باتیں منع کی گئی ہیں اُن سے پرہیز کریں اور کشت و خون سے بچیں اُس نے ہر ایک قسم کی بدی اور شرارت کرنے سے ہمیں روکا اور جھوٹ بولنے سے منع فرمایا۔ ایسا ہی یتیموں کا مال کھانے سے بھی روکا اور اُس نے تاکید کی ہے۔ کہ ہم نماز اور روزہ حج اور زکوٰۃ کے پابند ہو جائیں۔ ہم نے اُسے قبول کر لیا اور اُس کی نبوّت پر ایمان لائے۔

یہ تقریر بادشاہِ حبش پر اثر کیے بغیر نہ رہی۔ جو آخر کار مسلمان ہوگیا۔ مذہب اسلام کی تعلیم اسی طرح اس کی دلربائی کی موجب تھی۔ جس طرح کہ وہ تعلیم آج انگریزی بولنے والے اور دیگر مہذب باشندگانِ دُنیا کو اپنی طرف کھینچ رہی ہے۔ اسلام کو اپنے قبول کرانے میں کسی جبر و اکراہ کی ضرورت نہیں۔ اسلام کے اصول ہی طبعًا دلکش واقع ہوئے ہیں۔ اسلام کی بُنیاد صداقت پر ہے چونکہ جبر اور اکراہ سے منافقت پیدا ہوتی ہے۔ جسے آنحضرت صلعم نے ہمیشہ ناپسند فرمایا۔

عیسائیوں کے حق میں آنحضرت صلعم کیطرف سے دستاویز حقوق

جو دستاویز آنحضرت صلعم نے کوہ سینا کے راہبوں کو دیا اُس سے بہتر کوئی مثال یا نظیر مذہبی

آزادی کی نظر نہیں آتی۔ یہ ایک معاہدۂ امن تھا جو عیسائیوں کو دیا گیا۔ وہ دستاویز یا معاہدہ تمام و کمال حالت میں اسلامک ریویو بابت ماہ جون ۱۹۱۵ء کے صفحات میں درج ہو چکا ہے لیکن اُس کے بعض فقرات ہم یہاں بھی درج کر دیتے ہیں۔ چنانچہ ذیل میں اُسکے چار فقرے دیئے جاتے ہیں۔

۱۔ کسی کو یہ حق حاصل نہ ہوگا کہ عیسائیوں کو اپنے گرجاؤں یا معبدوں سے نکالے +

۲۔ ایسے عیسائی جو اپنے مال و دولت سے جزیہ دے سکیں۔ اُن سے اور کچھ مطالبہ نہ ہوگا +

۳۔ اگر کوئی عیسائی عورت کسی مسلمان سے شادی کرلے تو مسلمان اُسے گرجا میں جانے یا اپنے مذہبی فرائض کے ادا کرنے میں روک نہ ڈالے گا +

۴۔ کسی شخص کو حق حاصل نہ ہوگا۔ کہ عیسائیوں کو اپنے گرجوں کی مرمت وغیرہ سے روکے۔ بلکہ اگر عیسائیوں کو اپنے گرجاؤں اور کلیساؤں کی مرمت میں یا کسی اور مذہبی اُمور میں انھیں امداد کی ضرورت ہو تو مسلمان ان کی امداد کریں گے +

پیغمبر عرب کسی خاص ملک اور قوم کی طرف تو مبعوث ہوئے نہیں تھے۔ بلکہ وہ کافۃ للناس کے لیئے آئے تھے۔ اس لیئے آپ نے دعوت نامے عیسائی اور دوسرے بادشاہوں کو بھی لکھے۔ آپ سے پہلے جو نبی آیا وہ کسی قوم یا ملک کی طرف آیا۔ لیکن آپ کی بعثت کل دُنیا کے لیئے تھی۔ آپ کا مشن خدائی رب العالمین کی طرف سے تھا۔ اور اس لیئے آپ کا پیغام سب کی طرف تھا۔ آپ نے ایک خط ہرقل شاہِ شام کو لکھا۔ اور ایسا ہی ایک خط مقوقس شاہ مصر کو۔ آپ نے انھیں دعوت اسلام کی اور یہ لکھا۔ کہ اُن کا اسلام اُن کے لیئے خیر و برکت کا موجب ہوگا۔ ان خطوط کے اصل اب مل گئے اور جو چٹھی شاہ مقوقس کو لکھی گئی تھی اُس کا تو فوٹو ہندوستان۔ امریکہ اور برطانیہ کلان اور یورپ کے دیگر ممالک میں بھی شایع ہو چکا ہے۔ ان خطوط کے جواب بھی تحائف کے ساتھ اُن بادشاہوں نے آنحضرت کی خدمت میں بھیجے۔ وہ اُس وقت تو مسلمان نہ ہوئے لیکن بعد میں اُنھوں نے اسلام قبول کر لیا اور اُن کی رعایا اب تک حلقہ بگوش اسلام ہے +

قرآن کریم سورہ آل عمران آیۃ (۷۰) میں ایک نمونہ ہمیں ملتا ہے کہ کس طرح آنحضرت صلعم ان عیسائی بادشاہوں کو مخاطب کیا کرتے تھے۔ یا اھل الکتب تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا و بینکم الا نعبد الا اللہ ولا نشرک بہ شیئا ولا یتخذ بعضنا بعضا ارباباً من دون اللہ

اے اہل کتاب آؤ ایسی بات کی طرف (رجوع کرو) جو تمہارے ہمارے درمیان میں یکساں (مانی جاتی) ہے کہ ہم اللہ کے سوائے کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔ اور اللہ کے سوائے ہم میں سے کوئی کسی کو (رب) نہ بنائے۔ الخ سورہ (۳) آیۃ (۶۴) میں مسلمانوں کے لیئے ایک طریق عمل لکھا گیا۔ اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کہاں تک شارع اسلام مسلمان اور عیسائیوں کو یکجا کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ قرآن فرماتا ہے کہ مسیح اور محمد علیہما السلام دونوں ابراہیم کی اولاد میں سے ہیں۔ اس لیئے بھائی بھائی ہیں۔ دراصل جو مسیح نے مذہب تعلیم کیا وہ بھی یہی تھا۔ "تو صرف اپنے خداوند خدا کی عبادت کیجو اور اسی ایک کی عبادت کیجو اور ابدی زندگی یہی ہے۔ کہ تجھ سے جو تو ایک ہی خدا ہے پہچان جائے اور مسیح کو جس کو تو نے بھیجا ہے۔" (یوحنا باب ۱۷/۳) یہی دراصل اسلام کا حقیقی مقام ہے۔

ہم آئے دن سُن رہے ہیں کہ عیسائیوں کے مختلف فرقوں میں آپس میں ملانیکی کوشش ہو رہی ہے۔ لیکن اسلام نے دراصل ایک وسیع پیمانہ پر کل دُنیا کے مذاہب کو ملا دیا۔ اسلام کی غرض یہ ہے کہ دُنیا جہان کے تمام مذاہب اور فرقوں کو ایک خدائے واحد کی عبادت اور اُس پر ایمان لانے پر مستعد کرے۔ اور وہ پیغام اُن سے منوائے جو مسیح محمدؐ اور دنیا جہان کے تمام پیغمبر خدا کی طرف سے لائے۔

۷۸۶

صفات باری

اسلامی نقطۂ خیال سے

(از محمد صادق ڈڈلے رائیٹ)

مسلمانوں کا ایمان خدا پر ایک خالی عقیدہ ہی نہیں۔ نہ سائے کی طرح یہ ایک بے حقیقت شئے ہے۔ یہ تو ایک مضبوط و راسخ عقیدہ ہے۔ یہ اکثر سُننے میں آتا ہے۔ کہ مذاہب دُنیا میں اسلام نے مختصر سے مختصر عقاید تعلیم کیئے ہیں۔ شاید ایسا ہی ہو۔ لیکن خدائے قدوس کی ذات پر ایک مسلم کا ایمان اس قدر مضبوط ہے۔ کہ وہ ہر ایک ایسی کوشش کو نہایت ہی نفرت کے ساتھ دیکھتا ہے۔ اور دراصل اسے کفر ہی سمجھتا ہے کہ جس میں خدائے واحد کے

ساتھ شرک لازم آجائے۔ اور دراصل یہ تو سمجھ ہی نہیں آتا کہ خدا بھی ہو۔ اور کوئی اُسکے ہم پلّہ بھی ہو۔ یا وہ کس طرح کسی اور کو اپنی صفات میں شریک کر سکتا ہو وُہ ہی ایک خدا ارفع و اعلیٰ ہے۔ وُہ ہی ایک معبُود ہو سکتا ہے۔ پھر اس کے مقابل کسی کا یہ کہنا۔ کہ تین یا دو کامل قدرت کے مالک ہو سکتے ہیں مسلمان کے نزدیک بالبداہت ایک قسم تضاد ہے۔ سینٹ اتھے نوسیس کا عقیدہ جو اس وقت مسیحی عقیدہ کہلاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ "ایک اقنوم باپ دوسرا اقنوم بیٹا تیسرا اقنوم رُوح القدس۔ لیکن خدا باپ اور خدا بیٹا اور روح القدس الوہیت میں متحد پھر اُن کا جلال یکساں اور شوکت ازلی و ابدی" یہ عقیدہ ایک مسلم کی نگاہ میں بے معنیٰ کفر اور مجموعہ تضاد ہے عیسائی مذہب کے حامی و زینت دھندگان علی العُموم کہا کرتے ہیں کہ اسلامی الٰہیات میں کوئی ایسا مسئلہ نہیں کہ جس کے ماتحت خدا کو باپ کر کے پکارا جائے یہ بالکل صحیح ہے۔ اور ہم تسلیم کرتے ہیں کہ مسلمان انسان اور خدا میں وہ رشتہ تسلیم کرتے ہیں۔ جو اُن تعلقات سے بہت ہی ارفع ہے کہ جسے باپ اور بیٹے کے الفاظ ظاہر کرتے ہیں۔ لفظ باپ ان پدرانہ فرائض کی ادائیگی کیطرف اشارہ کرتا ہے جو باپ کے ذمہ پڑی ہوتی ہیں۔ لیکن خدا تو انسان کے مقابل کسی ایسی ذمہ داری کے ماتحت نہیں۔ وہ ازلی ابدی بادشاہ ہے۔ اِس کی مرضی ہر انسان کی مرضی پر غالب ہر مرد اور عورت کو اسی کی رضا جوئی مدنظر ہونی چاہیئے۔ اسلام ایک ذو معنی لفظ ہے۔ رضاء الٰہی کی اطاعت اور امن و سلامتی کو حاصل کرنا در اصل پہلی بات سے دُوسری بات حاصل ہو جاتی ہے۔ ایک مقصد اور دُوسرا ذریعہ حصُول مقصد۔ اسلامی خدا کسی قوم کے فرقہ کا خدا نہیں اور نہ ہی اسلام کسی قوم یا فرقہ کا مذہب ہے۔ بلکہ یہ کل بنی نوع کا مذہب ہے۔ اسلام میں اللہ کو رب العالمین پکارا گیا ہے۔ لہذا اگر اور بھی مسکونہ ممالک دنیا ہے تو اللہ ہی سب کا رب ہے۔ اور انسانی اخوت ان تمام دُنیاؤں کے باشندگان تک پہنچتی ہے۔ اور یہ اخوّۃ اسلام کا ایک مضبُوط اصُول ہے جس نے عملی جامہ بھی پہن رکھا ہے۔

عیسائی مذہب جو انسان اور خدا میں رشتہ قائم کرنا چاہتا ہے۔ اس نے خالق اور مخلوق میں ایک اِس قسم کی مفروضہ یگانگت پیدا کرنی چاہی ہے۔ جس سے رُوح کو نفرت ہوتی ہے اور جس میں نہ کوئی آداب کا لحاظ رہتا ہے نہ عبادت۔ جب ایک اِنسان دعا کرتا ہے اور اُسکے مقابل خدا کے افضال اپنے پر نازل ہوتے دیکھتا ہے تو وُہ قُرب الٰہی کو محسُوس کر سکتا ہے

کیا ایسی حالت ایک خوش باشی کی حالت ہے۔ نہیں بہتر یہ کہنا ہوگا۔ کہ ایک اِنسان جُوں جُوں اُس کے فضلوں کو دیکھے۔ تُوں تُوں رُعب الٰہی اُس پر طاری ہو +

الرحمٰن۔ الرحیم۔ ان الفاظ میں وہ شان وشکوہ و جبروت ہے۔ کہ جو کسی اور لفظ سے ظاہر نہیں ہوتی۔ اِس کی رحمت کی کوئی حد ہی نہیں۔ تو پھر جب مسلمان خدا کی رحمت اور افضال کو اِس قدر وسیع سمجھے ہوئے ہیں۔ اور جب اُس کے ایمان میں اُس کا جلال و شوکت اِس قدر عظیم الشان ہے۔ تو کیا یہ عجب ہے۔ کہ وُہ ایسے خدا کی عبادت و ستائیش میں سربسجود ہو کر اپنی پیشانی زمین پر رکھدے۔ اِس تمام جہانوں کے بادشاہ کے لیئے مُسلمانوں نے اللہ کا نام تجویز کیا ہے۔ یہ وہ نام ہے جو سوائے اس ایک معبود کے کسی پر آج تک استعمال ہی نہیں ہوا۔ یہ وہ نام ہے کہ جس میں تمام ایسے اسماء حسنہ آجاتے ہیں۔ جو کوئی گن سکتا ہے +

اسلام جیسے کہ بیان ہوا۔ محض عقیدہ نہیں۔ بلکہ یہ ایک زندگی ہے۔ جس پر چلنا ہوگا۔ قرآن میں ہدایات زندگی ہیں۔ جن میں بعض ایسی ہیں کہ جن کو روزانہ زندگی کے چھوٹے چھوٹے امُور کہا جاسکتا ہے۔ لیکن انھیں چھوٹی باتیں نہیں سمجھنا چاہیئے۔ جب یہ خیال کرلیا جاوے کہ اِنسان نے خدا کے لیئے ہی زندگی بسر کرنی ہے۔ مُسلمان خدا کے لیئے ہی جیتا ہے۔ خدا ہی اُس کی تمام امیدوں۔ تمام تسلیوں و خوشیوں کا مرکز ہے۔ مُسلم زندگی کا مقصد ہی حبل اللہ کے ساتھ وابستہ ہونا اور علمِ الٰہی کا حاصل کرنا ہے۔ گہوارہ سے چل کر قبر تک مُسلمان خدا اور صرف خدا کے لیئے جیتا ہے +

سلاجیت **مومیائی** مقوّی اعضا ہے معدہ و جگر اعضائے رئیسہ کو تقویت دیتا ہے۔ بدن میں چُستی پیدا کرتا ہے انگریزی قیمتی ادویات کے مقابل یہ کم قیمت مفرد دوائی دماغی کام کرنیوالوں کے لیئے بہت مفید ثابت ہوئی ہے۔ کام کے بعد تھکاوٹ بالکل محسُوس نہیں ہوتی۔ اگر اسے اکسیر البدن کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا تبت و گلگت کے پہاڑوں سے سلاجیت منگوا کر ست تیار کیا جاتا ہے درد کمر۔ زکام۔ ریزش کھانسی کو رفع کرتا ہے۔ چوٹ کے درد کیلیئے تو حکمی علاج ہے۔ ہر موسم میں مرد و زن ضعیف بچہ بغیر کسی پرہیز کے استعمال کرسکتے ہیں قیمت فی تولہ جو قریبًا تین ماہ کیلیئے کافی ہے۔ (عہ) نوٹ: قیمت واپس اگر خالص نہ ہو ترکیب استعمال صبح یا شام دودھ کے ساتھ ایک رتی یا ڈیڑھ رتی +. المشتہر کارخانہ سلاجیت۔ احمد بلڈنگس۔ نولکھا۔ لاہور

خوشخبری خوش خبری!! خوشخبری

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

خطبات غربیہ

پہلا حصہ طبع

از

جناب خواجہ کمال الدین صاحب بی۔اے۔ایل۔ایل۔بی مسلم مشنری۔ایڈیٹر اسلامک ریویو مجریہ ووکنگ لندن۔ یہ وہ معرکۃ الآرا خطبے ہیں۔ جو جناب خواجہ کمال الدین صاحب نے اپنے قیام یورپ میں ناآشنایان اسلام کو اسلام سے معرّف کرانے اور اُن پر حقانیت اسلام متحقق کرنے کے لیئے انگلستان۔ فرانس اور سکاٹلینڈ کے مختلف مقامات پر سرمن لیکچر اور تقریروں کی شکل میں دیئے۔ اس کے پڑھنے سے ہر ایک شخص نہ صرف اسلام کی خوبیوں اور اسکے اصولوں سے ہی واقف ہو جاتا ہے۔ بلکہ دیگر مذاہب کے مقابل اُسے اسلام کی افضلیّت کا قائل ہونا پڑتا ہے۔ ان خطبوں میں سے چند خطبات ہم نے بعض احباب کی بار بار فرمائش سے اردو میں ترجمہ کرائے ہیں۔ جو اس وقت زیر طبع ہیں۔ ان خطبات کے مضامین کے لحاظ سے اُنھیں مختلف جلدوں میں حسب ذیل ترتیب دیا ہے:۔

سلسلہ خطبات غربیہ ۱

مسجد ووکنگ کے ابتدائی خطبات

یہ وہ چار سرمن ہیں جن کے ذریعہ اسلام سے قطعی ناآشنا اہل انگلستان کو اسلام سے معرف کرایا گیا۔ اور اُنھیں چار خطبات سے جو قریباً یکے بعد دیگرے ہوئے مسجد ووکنگ بعض غیر مسلم سکان ووکنگ کے لیئے بھی مستقل معبد بن گئی۔ اور اُنھوں نے اپنے گرجاؤں کو چھوڑ کر مسجد میں آنا شروع کر دیا۔ بتفصیل ذیل:۔ (۱) میری مرضی نہیں بلکہ تیری مرضی۔ (۲) خدا کی کامل تصویر۔ (۳) اسلام تیں بیتسمہ آتشین ہے۔ (۴) الہام ایک فیض ربوبیت ہے